MIRRAT UL ARIFEEN INTERNATIONAL

ماہنامہ

مرآۃ العارفین انٹرنیشنل

لاہور

04 26

اگست 2025ء، صفر المظفر 1447ھ

WWW.MIRRAT.COM

پاکستان نمبر

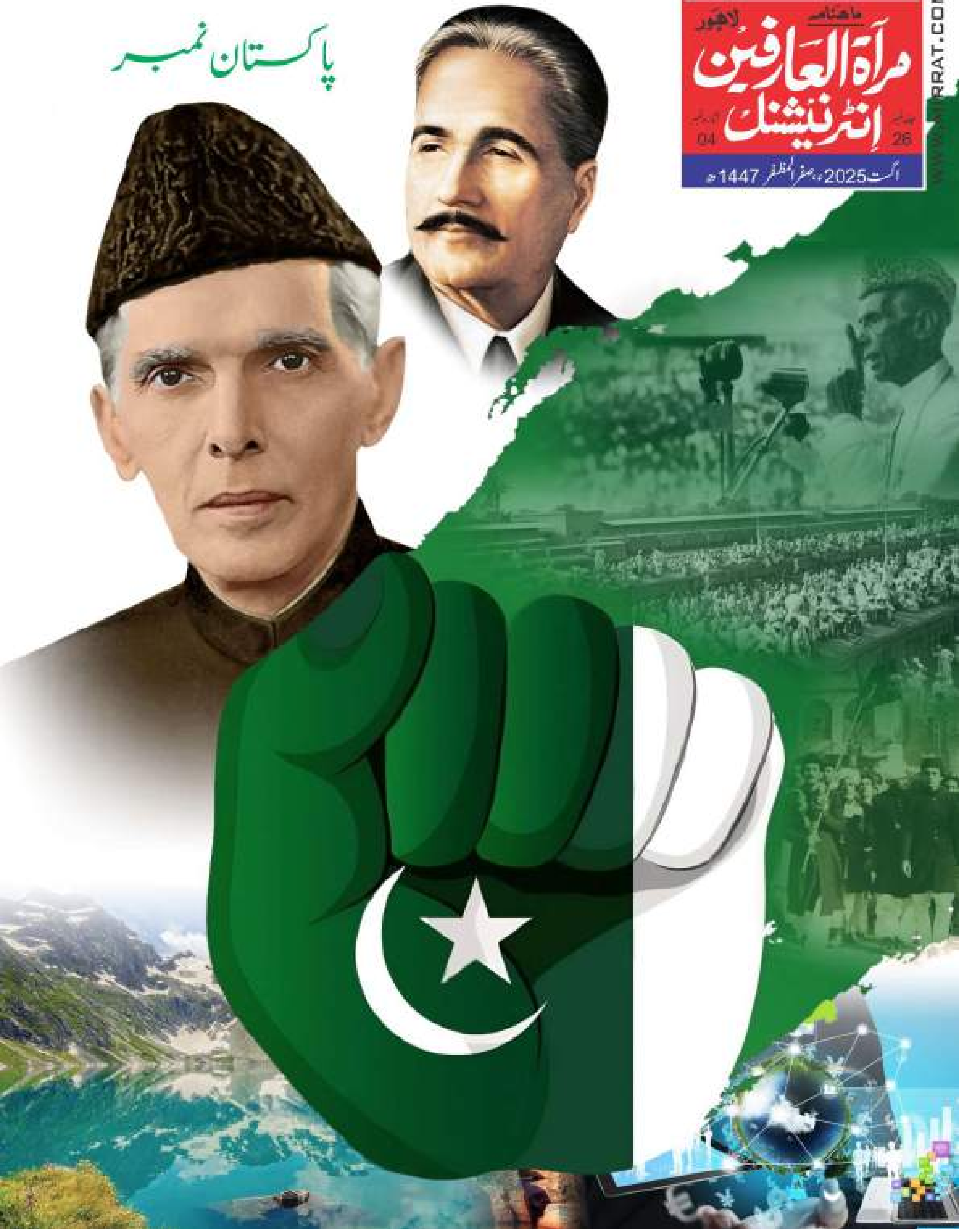

1947ء میں قیامِ پاکستان سے لے کر 2025ء میں آپریشن

”بنیان مرصوص“

تک وطنِ عزیز کا دفاع، قوم کے غیر متزلزل اتحاد، بے مثال جذبۂ حبُّ الوطنی، پختہ عزم اور صبر و استقامت سے ممکن ہوا ہے۔

یاد رکھیں!

اللہ ربّ العزت نے اس قوم کو بے بہا صلاحیتوں، غیر معمولی جرأت اور بے تحاشہ وسائل سے نوازا ہے اور یہ قوم تاریخ میں کئی مرتبہ سرفراز ہو کر اُبھری ہے۔ اگر ہم اتحاد، یگانگت اور قومی و ملی یکجہتی کا دامن تھامے رکھیں، تو وہ دن دور نہیں جب مملکتِ خداداد پاکستان، اقوامِ عالم میں سرفراز و سربلند مقام حاصل کرے گی جو بانیانِ پاکستان کا خواب تھا۔

مسلسل اشاعت کا چھبیسواں سال

MIRRAT UL ARIFEEN INTERNATIONAL

ماہنامہ مرآۃ العارفین انٹرنیشنل لاہور

اگست 2025ء، صفر المظفر 1447ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فیضانِ نظر

سلطان الفقر حضرت سخی سلطان محمد اصغر علی صاحب

چیف ایڈیٹر: صاحبزادہ سلطان احمد علی

ایڈیٹوریل بورڈ:
- سید عزیز اللہ شاہ ایڈووکیٹ
- مفتی محمد شیر القادری
- افضل عباس خان

آرٹ ایڈیٹر:
- محمد احمد رضا
- واصف علی

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری (اقبال)

سلطان العارفین حضرت سلطان باھوؒ کی نسبت سے شائع ہونے والا فلسفۂ وحدانیت کا ترجمان،
اصلاحِ انسانیت کا پیامبر، اتحادِ ملتِ بیضا کے لئے کوشاں، نظریۂ پاکستان کی روشنی میں استحکامِ پاکستان کا داعی

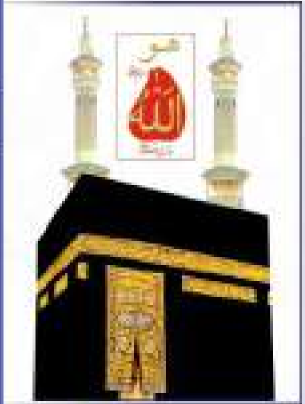

اس شمارے میں

1	اقتباس		3
	Editorial		
2	دستک		4
	پاکستان نمبر		
	Indo-Pak Relations		
3	پاکستان کے خلاف کارروائی کے خود ساختہ بہانے اور دس انفولیب: بھارت کی شناخت	محمد محبوب	5
	Foreign Policy		
4	پاکستان کی خارجہ پالیسی: بدلتے عالمی منظر نامے میں	محمد طلحہ سلیم	13
	Technology		
5	ٹیکنالوجی اور انوویشن: پاکستان کا ڈیجیٹل مستقبل	ندیم اقبال	21
	Philosophy		
6	فلسفۂ پاکستان: تشکیل سے تجدید تک	ڈاکٹر ادریس آزاد	27
7	جدیدیت اور پاکستان	وسیم فارابی	46
	Water Sciences		
8	پاکستان میں آبی جمالیات: ایک تحقیقی جائزہ	سیمینہ عمر	54
	Solidarity		
9	قوتِ اخوتِ عوام	محمد ذیشان دانش	60
	Spirituality		
10	نظریۂ پاکستان، قومی احساس اور سلطان الفقرؒ کا کردار	بابر جان محوازی خیل	63
	National Ode		
11	مرا وطن میری ماں ہے گھر ہے	ڈاکٹر عظمیٰ زرین نازیہ	70
12	گوشہ گوشہ میری دھرتی تیرا آباد رہے	مستحسن رضا جامی	70

فی شمارہ آرٹ پیپر	فی شمارہ نارمل پیپر
110 روپے	80 روپے
سالانہ (ممبرشپ) 1320 روپے	سالانہ (ممبرشپ) 960 روپے

سعودی ریال	امریکی ڈالر	یورپین پونڈ
800	400	280

اپنی بہترین اور موثر کاروباری تشہیر کیلئے مراۃ العارفین میں اشتہار دیجئے رابطہ کیلئے: 0300-1275009

برائے خط و کتابت: ماہنامہ مرآۃ العارفین انٹرنیشنل P.O.Box No.11 جی پی او لاہور E-mail: miratularifeen@hotmail.com
WWW.ALFAQR.NET, WWW.MIRRAT.COM

الله

"(اے لوگو!) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے اور اس نے اپنی تمام ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں، اور بعض لوگ بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر کسی واضح کتاب کے اللہ کے متعلق بحث کرتے ہیں"۔ (لقمان:20)

حضرت سہل بن سعد ساعدی (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ارشاد فرمایا:

"رِبَاطُ يَوْمٍ فِي سَبِيلِ اللهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا"

"اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک دن سرحد پر پہرا دینا دنیا اور دنیا کی چیزوں سے بہتر ہے"۔

(صحیح البخاری، باب فضل رباط یوم فی سبیل اللہ)

فرمان

سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی (رضی اللہ عنہ)

"اے بیٹے! تو دنیا میں باقی رہنے اور اس میں مزے اڑانے کے لیے پیدا نہیں ہوا اور تو ان کاموں کو جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں اور تو ان میں تو مبتلا ہے اس کو بدل دے۔ تو نے اللہ کی اطاعت میں صرف لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ لینے پر قناعت کر لی ہے حالانکہ جب تک اس کے ساتھ دوسری چیز (یعنی عمل) کو نہیں ملائے گا یہ تجھ کو نفع نہیں دے گا۔ ایمان، قول اور عمل (کے مجموعہ کا نام) ہے، تیرا ایمان قبول نہیں ہو گا اور نہ تجھے نفع دے گا، جبکہ تو نافرمانیوں و گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی مخالفت کا مرتکب ہو گا اور اس پر اصرار ہے گا۔ اگر تو نماز، روزہ اور صدقہ اور نیکوکاریاں چھوڑے گا تو وحدانیت و رسالت کی محض گواہیاں تجھے کیا نفع دیں گی؟ جب تو نے "لا الٰہ الا اللہ" کہا تو تحقیق تو نے (توحید کا) دعویٰ کیا۔ اب تجھے کہا جائے گا (اے مدعی) کیا تیرے پاس کوئی گواہ بھی ہے؟ وہ گواہ کیا ہیں؟ اللہ عزوجل کی فرمانبرداری کرنا، ممنوعات سے باز رہنا، مصیبتوں پر صبر کرنا اور تقدیر کے سامنے گردن جھکانا یہ اس دعوے کے گواہ ہیں اور جب تو نے یہ اعمال کر لیے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کے بغیر قبول نہیں ہوں گے کیونکہ اللہ پاک کسی قول کو بغیر عمل کے اور کسی عمل کو اخلاص اور سچے گواہوں کے بغیر قبول نہیں فرماتا"۔ (الفتح الربانی)

فرمان

سلطان العارفین حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ)

ثابت صدق تے قدم اگیرے تائیں رب لبھیوے ھو
لوں لوں دے وچ ذکر اللہ دا ہر دم پیا پڑھیوے ھو
ظاہر باطن عین عیانی ھو ھو پیا سنیوے ھو
نام فقیر تنہاں دا باھو قبر جنہاں دی جیوے ھو

(ابیاتِ باھو)

فرمان قائد اعظم محمد علی جناح (رحمۃ اللہ علیہ)

ایمان، اتحاد، تنظیم

"میں آپ سب کے لیے میرا پیغام امید، حوصلے اور اعتماد کا پیغام ہے۔ آیئے ہم باقاعدہ اور منظم طریقے سے اپنے تمام وسائل مجتمع کر لیں اور درپیش سنگین مسائل کا ایسے عزم بالجزم اور نظم و ضبط سے مقابلہ کریں جو ایک عظیم قوم کا سرمایہ ہوتا ہے۔ پاکستان زندہ باد"۔ (کراچی،24 اکتوبر 1947ء)

فرمان علامہ محمد اقبال (رحمۃ اللہ علیہ)

عقل ہے تیری سپر، عشق ہے شمشیر تری
مرے درویش! خلافت ہے جہاں گیر تری
ماسوی اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری
تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری

(بانگِ درا)

اکبر کی الحادی فکر کا تسلسل، نظریہ پاکستان اور قومی وحدت کی ضرورت

تحریک پاکستان کے دوران بانیان پاکستان کی سوچ وفکر اور واضح نصب العین تھا کہ پاکستان کا قیام محض ایک خطہ سرزمین کا حصول نہیں بلکہ اسلامی شناخت اور نظریے کو محفوظ بنانے کیلئے ہے۔ تحریک پاکستان کے دوران "پاکستان کا مطلب کیا، لا الہ الا اللہ" کا نعرہ زبان زد عام ہوا جو صدیوں سے دلوں میں لگائی جانے والی کلمہ طیبہ کی ضربوں سے وارد ہوا۔ بقول علامہ محمد اقبال:

خودی کا سرِ نہاں لا الہ الا اللہ   خودی ہے تیغ فساں لا الہ الا اللہ

تاریخ گواہ ہے کہ برصغیر میں ایسے عناصر ہمیشہ موجود رہے جنہوں نے مسلمانوں کی اسلامی شناخت کو مٹانے اور انہیں الحادی فکر کی طرف مائل کرنے کی ناپاک جسارت کی ہے۔ اکبر کے دور میں "دینِ الٰہی" کے نام پر جو الحادی فتنہ پروان چڑھا وہ دراصل اسلامی اساس کو کمزور کرنے کی ایک سازش تھی۔ اس الحاد کی تعبیر میں داراشکوہ بھی نظر آتا ہے۔ چنانچہ حفاظتِ دین کی فکری تحریک مجدد الفِ ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کی صورت میں اور سیاسی سطح پہ اورنگزیب عالمگیر کی صورت میں نظر آتی ہے۔ بعد ازاں الحادی فکر مختلف کانگریسی ملاؤں کی صورت میں سامنے آئی جو مسلمانوں کو ان کے دینی وتہذیبی تشخص سے محروم کر کے ہندو اکثریت کے رنگ میں رنگنا چاہتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ "ہندوستانی قومیت" کی سوچ اکبر کے الحادی نکتہ نظر کے تسلسل میں نظر آتی ہے کہ قومیت مذہب سے نہیں ہوتی، بلکہ وطن سے ہوتی ہے۔ علامہ اقبال نے اس پہ واضح کیا کہ ہماری قوم کی اصل شناخت اسلام ہے۔ چنانچہ مسلمانانِ ہند نے علامہ اقبال کی فکر پہ لبیک کہتے ہوئے اسلام کا دفاع کیا اور حصولِ پاکستان میں قائد اعظم محمد علی جناح کا ساتھ دیا۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ یہی وہ الحادی فکری یلغار تھی جس کے خلاف نظریہ پاکستان ایک قلعے کی حیثیت رکھتا ہے۔

علامہ محمد اقبال قیامِ پاکستان سے قبل مسلمانانِ ہند کیلئے جن خطرات کا ذکر کرتے رہے، آج ان کی عملی شکل ہمیں ہندوستان میں نظر آتی ہے کہ شدت پسندانہ بھارتی حکمران مسلمانوں سے اپنی تاریخی نفرت و تعصب کا اظہار کرتے ہوئے آثارِ اسلامیہ مٹانے کے درپے ہیں۔ بھارت میں مسلمانوں کی عبادت گاہیں اور مذہبی مقامات بھی غیر محفوظ ہوتے جا رہے ہیں اور اسلاموفوبیا، تشدد اور قتل وغارت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ امریکی تحقیقی ادارے "انڈیا ہیٹ لیب" کے مطابق 2024ء میں بھارت میں اقلیتوں کے خلاف نفرت انگیز تقریروں کے واقعات میں 74 فیصد اضافہ ہوا اور 1165 ایسے واقعات ریکارڈ کئے گئے جن کا 98.5 فیصد نشانہ مسلمان بنے۔ وزیر اعظم نریندر مودی اور وزیر داخلہ امیت شاہ جیسے سیاستدان ان نفرت انگیز بیانات کے اہم ذرائع تھے۔ ماضی میں شدھی اور سنگھٹن جیسی تحریکوں کا مقصد بھی یہی تھا جو آج ہندوتوا کا کہ بھارت کو صرف ہندو قوم کے لئے مخصوص کیا جائے اور مسلمانوں اور دیگر مذاہب کے وجود کو ختم کر دیا جائے۔

صرف یہی نہیں، بھارتی ایجنسیاں بیرون ملک بھی غیر قانونی کارروائیوں میں ملوث ہیں چاہے خطے میں دہشت گرد گروہوں کی پشت پناہی ہو یا دوسروں ممالک کی سرزمین پر لوگوں کا قتل، جس کی سب سے بڑی مثال کینیڈا میں ہاردیپ سنگھ نجار کا قتل ہے اور ایک ناکام کوشش امریکہ میں بھی کر چکا ہے۔ انہی وجوہات کے سبب آر ایس ایس کی حمایت یافتہ بی جے پی کا شدت پسندانہ چہرہ اب دنیا کے سامنے بھی بے نقاب ہو چکا ہے اور ہندوتوا کے تعصب کے باعث بھارت کا سب سے بڑا اتحادی امریکہ بھی اس کا ساتھ چھوڑ چکا ہے۔ یہ امر حال ہی میں امریکہ کی جانب سے بھارت پہ لگنے والے 25 فیصد ٹیرف سے بھی واضح ہوتا ہے۔ اسی طرح آپریشن سندور کی عالمی سطح پہ عدم پذیرائی اور بھارتی مؤقف کی ناکامی بھی ہندوتوا کی ناکامی کا ثبوت ہیں۔ بھارتی پارلیمنٹ میں ہونے والی آپریشن سندور کے متعلق بحث میں اپوزیشن کی جانب سے سخت ترین سوالات اور مودی حکومت کے غیر تسلی بخش جوابات اس کی بوکھلاہٹ کو ظاہر کرتے ہیں۔ بھارت کے اندر بھی بی جے پی کی مقبولیت کم ہو رہی ہے جس کے نتیجے میں مختلف لوگ نریندر مودی کے مقابل قیادت کے حصول کیلئے کمپین چلا رہے ہیں جن میں امت شاہ اور راج ناتھ سنگھ نمایاں طور پہ شامل ہیں۔

آج یوم آزادی پاکستان ہمیں ایک بار پھر یاد دلاتا ہے کہ اپنی شناخت برقرار رکھنے اور اسلام کے تحفظ کیلئے ہمیں اپنی اساس اور بنیاد پر قائم رہتے ہوئے بانیان پاکستان کے پیغام کے ساتھ تجدید عہد کرنے کی ضرورت ہے۔ قومی یکجہتی اور ہم آہنگی کا راستہ ہی وہ بنیادی راہ عمل ہے جو ہمیں ہر آزمائش سے نکال کر دنیا کی عظیم قوموں میں کھڑا کر سکتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ دنیا بھر کے مسلمانوں کو بھارت میں موجود مسلم ثقافتی ورثے اور مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کیلئے اپنا کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے۔

پاکستان کے خلاف کاروائی کے خود ساختہ بہانے اور ڈِس انفولیب: بھارت کی شناخت

محمد محبوب
شعبہ سیاسیات و بین الاقوامی تعلقات - قائداعظم یونیورسٹی

ابتدائیہ:

مشہور و معروف مقولہ ہے کہ "کچھ لوگوں کو ہر وقت اور سب لوگوں کو کچھ وقت کے لیے دھوکہ دے سکتے ہو، لیکن سب لوگوں کو ہر وقت دھوکہ نہیں دے سکتے"۔

بد قسمتی سے بین الاقوامی تعلقات میں جھوٹ، دغا بازی، دھوکہ دہی، فریب اور خصوصاً جعلی پروپیگنڈا ایسے ہتھیارات ہیں جن کو استعمال کر کے ریاست یا گروہ اپنے مدمقابل کو زیر کرنے کے لئے استعمال میں لاتی ہیں۔ عمومی طور پر عالمی سیاست میں ریاستیں رائے عامہ کو اپنے حق میں ہموار کرنے، مدمقابل ریاست کو بدنام کرنے اور چند مخصوص سفارتی فوائد حاصل کرنے کے لیے مختلف حربے استعمال کرتی ہیں۔ انہی حربوں میں سے ایک خطرناک اور گمراہ کن حربہ "کاروائی کے خود ساختہ بہانے" (False Flag Operation) ہے، جس میں ریاستیں حملے یا کاروائی کو کسی اور ریاست کے سر تھوپ کر اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اس قسم کے اقدامات سے ریاستیں وقتی فوائد تو حاصل کر لیتی ہیں لیکن چونکہ جلد یا بدیر ان کی حقیقت آشکارا ہو ہی جاتی ہے تو ایسی ریاستیں مہذب اقوام کی فہرست میں اپنا اخلاقی جواز کھو بیٹھتی ہیں۔ یہ اصطلاح عصر حاضر میں بین الاقوامی سیاست، انٹیلیجنس آپریشنز اور ہائبرڈ وار فیئر کے تناظر میں بطور حکمت عملی وسیع پیمانے پر بروئے کار لائی جاتی ہے۔

"فالس فلیگ" کا مفہوم محض پاکستان اور بھارت کے مابین تناؤ، کشیدگی یا سیکیورٹی تنازعات تک محدود نہیں رہا، بلکہ اسے ہائبرڈ وار فیئر کے ایک مؤثر نفسیاتی اور ابلاغی ہتھیار کے طور پر بھی اپنایا گیا ہے، جس کی متعدد مثالیں دیگر جغرافیائی خطوں میں بھی دیکھی جا سکتی ہیں جن کا ذکر ہم آئندہ سطور میں کریں گے۔

غلط بیانی اور جعلی پروپیگنڈا پر مبنی ان کارروائیوں کا سب سے سنگین پہلو یہ ہے کہ وہ نہ صرف انسانی جانوں کے ضیاع کا باعث بنتی ہیں بلکہ عالمی نظام میں بے یقینی، باہمی بدگمانی اور تقسیم کی فضا کو تقویت دیتی ہیں۔ بد قسمتی سے پاکستان کے ڈرپوک، کم ظرف اور مکار ہمسائے بھارت نے گزشتہ چند دہائیوں کے دوران اس حربے کو بارہا مرتبہ استعمال کیا، تاکہ عالمی برادری کے سامنے پاکستان کو دہشتگرد ریاست کے طور پر پیش کر کے اسے عالمی دباؤ میں لایا جا سکے۔ اس کے ساتھ ساتھ، ڈِس انفولیب جیسے منظم پراپیگنڈا نیٹ ورک کے ذریعے بھارت نے جھوٹے بیانیے تشکیل دے کر پاکستان کی ساکھ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی لیکن پول کھلنے پر پوری دنیا کے سامنے بری طرح ناکام، ذلیل اور رُسوا ہوا۔ زیر نظر مضمون میں ہم بھارت کی پاکستان کے خلاف ان مکاریوں اور دھوکہ دہی کا تذکرہ کریں گے جن کے ذریعے نہ صرف وہ اپنی عوام بلکہ عالمی برادری کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا چلا آ رہا ہے جس کا تازہ ترین واقعہ پہلگام میں ہوا۔ انہی اقدامات کی وجہ سے بھارت نے نہ صرف خطے میں عدم استحکام پیدا کرنے کی کوشش کی بلکہ بین الاقوامی اصولوں کی بھی خلاف ورزی کی۔

فالس فلیگ آپریشن کی تعریف اور تاریخ:

کیمبرج ڈکشنری کے مطابق فالس فلیگ کا مطلب:

"A political or military action that is made to appear to have been carried out by a group that is not actually responsible".[1]

"ایک سیاسی یا فوجی کارروائی جس کو اس طرح پیش کیا جائے کہ گویا اسے کسی اور گروہ نے سرانجام دیا ہے، حالانکہ درحقیقت وہ خود اس کا ذمہ دار نہیں ہوتا"۔

آکسفورڈ انگلش ڈکشنری کے مطابق:

"فالس فلیگ" کی اصطلاح 1569ء سے استعمال ہو رہی ہے لیکن اس کا پہلا حوالہ تمثیلی (علامتی) معنوں میں موجود ہے۔ اس ڈکشنری کی تعریف کے مطابق فالس فلیگ کا مقصد "کسی کے تعلق یا ارادوں کو جان بوجھ کر غلط انداز میں پیش کرنا یا کوئی ایسی چیز جو اس غلط تاثر کے لیے جان بوجھ کر استعمال کی جائے"۔[2]

اگر ہم اس اصطلاح کی تاریخ دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے 16ویں صدی میں قزاق (پائریٹس) کسی دوست ملک کا جھنڈا لہرا کر تجارتی جہازوں کو دھوکہ دیتے تھے تاکہ وہ انہیں قریب آنے کی اجازت دے دیں۔ یوں ہی انہیں دھوکہ دہی سے وہ اپنے مقاصد حاصل کر لیتے تھے۔

ایک اور دوسری تحقیق کے مطابق اس اصطلاح کے سمندری مفہوم کا پہلا حوالہ 1824ء میں ملتا ہے جس کے مطابق فالس فلیگ کا مقصد:

"ایک ایسا جھنڈا جو کسی جہاز کی قومیت، وفاداری، یا ارادے کو چھپانے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا"۔[3]

اگر ہم جدید عالمی سیاست کی روشنی میں اس اصطلاح کا جائزہ لیں تو فالس فلیگ آپریشن جنگی یا سیاسی حکمت عملی کی ایک ایسی شکل ہے، جس میں کوئی ملک یا اس کی خفیہ ایجنسی خود اپنی سرزمین یا شہریوں پر دہشتگردی کا حملہ کرتی ہے، تاکہ اس کا الزام کسی دشمن ملک یا گروہ پر ڈال کر اس کے خلاف جارحانہ اقدامات کا جواز پیدا کیا جا سکے۔[4]

اگر بنظرِ عمیق دیکھا جائے تو فالس فلیگ حملوں کی تاریخ نہ صرف طویل بلکہ بدنام بھی ہے جس کا ذکر کرنا نہایت ضروری ہے کہ کس طرح جعلی پروپیگنڈا کے ذریعے اور محض چند مفادات کی خاطر لاکھوں انسانوں کو جنگوں میں دھکیلا گیا۔ تاریخ میں ایسے کئی واقعات درج ہیں جن میں طاقتور ممالک نے اپنے مفادات کے حصول کے لیے چالاکی سے ایسے حملے کروائے جن کا الزام دوسروں پر ڈالا گیا جو بہت بڑے تنازعات کا باعث بنے۔

مثال کے طور پر 1939ء میں جرمنی نے پولینڈ پر حملے سے قبل ایک فالس فلیگ کارروائی کی۔ اسی سال روس اور فن لینڈ کی جنگ کا آغاز بھی ایک مشکوک حملے کی بنیاد پر ہوا۔ اس کے علاوہ اب بھی بہت سے لوگ اس بات پہ یقین کرتے ہیں کہ 1898ء میں ہوانا کی بندرگاہ میں USS Maine کو تباہ کرنے والا دھماکہ ایک 'فالس فلیگ آپریشن' تھا، جس کا مقصد امریکہ کو ہسپانوی۔امریکی جنگ کے لیے ایک جواز فراہم کرنا تھا۔

1964ء میں خلیج ٹونکن کا واقعہ امریکہ کے ویتنام جنگ میں مداخلت کا بہانہ بنا، جو بعد میں فالس فلیگ حملہ ثابت ہوا۔

اس کے علاوہ 2014ء میں روس نے کریمیا پر قبضے کے دوران ایسے مسلح افراد کو استعمال کیا جنہیں "چھوٹے سبز آدمی" کہا گیا اور انہوں نے اپنے اصل تعلق کو چھپا کر

---

[1]Falae Flag | English meaning - Cambridge Dictionary https://dictionary.cambridge.org/dictionary/english/false-flag
[2]How the term 'false flag' migrated to the right - Columbia Journalism Review https://share.google/NfkuAwXceQkOgWwAN
[3]Ibid.
[4]False flags: What are they and when have they been used? https://www.bbc.com/news/world-60434579

کارروائیاں کیں۔[5] اسی طرح بھارت نے پاکستان کو مورد الزام ٹھہرانے کے لئے مختلف فالس فلیگ آپریشن اپنی سر زمین پر کروائے جن کا ہم آگے تفصیلی ذکر کریں گے، خاص طور پہ جب سے "گجرات کے قصاب" مودی کی حکومت آئی ہے، تواتر سے ایسے جھوٹ تراشے جارہے ہیں۔

بھارت کے فالس فلیگ آپریشنز کی تاریخ:

اس بات میں کوئی دو رائے نہیں ہے کہ تقسیم ہند کے بعد سے بھارت ایسے منصوبے بناتا آیا ہے کہ پاکستان کے وجود کو ختم کیا جاسکے جس کی سب سے اہم مثال جونا گڑھ اور ریاست جموں و کشمیر پر غیر قانونی قبضہ، 1971ء میں پاکستان کو دولخت کرنا اور اس وقت کی بھارتی وزیر اعظم اندرا گاندھی کا ان غیر قانونی کارروائیوں کیلئے سہرا اپنے سر لینا ہے۔ بھارتی مداخلت کا ذکر موجودہ وزیر اعظم نریندر مودی بھی کر چکے ہیں۔ اس کے بعد بھارت نے 1980ء کی دہائی میں دہشت گردی کا راگ الاپتے ہوئے فالس فلیگ آپریشنز کے ذریعے پاکستان پر جارحیت کرتے ہوئے نہ صرف حملہ آور ہونے کی کوشش کی بلکہ مظلوم بن کر دوسری طرف عالمی دنیا کی ہمدردیاں سمیٹتا رہا۔ اس بات کے ناقابل تردید ثبوت موجود ہیں کہ بھارت پاکستان میں دہشت گردی کی کارروائیوں میں ملوث ہے۔

بھارت کی جانب سے پاکستان کو بدنام کرنے کے لیے فالس فلیگ آپریشنز کی ایک طویل تاریخ ہے۔ بھارت کی طرف سے پاکستان پر من گھڑت الزام تراشی اس کی پرانی روایت ہے جو اس کے جدید ہائبرڈ وار بیانیہ کا حصہ ہے۔ اس سکرپٹ کے تحت دہائیوں سے بھارتی حکومت یا اس کی ایماء پر خفیہ ایجنسیاں خود بھارت کے اندر یا مقبوضہ جموں و کشمیر کے علاقے میں کوئی دہشت گردی یا پر تشدد واقعہ کرواتا ہے، پھر اس کا الزام پاکستان پر ڈال کر دنیا کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا چلا آیا ہے۔ فریب اور جھوٹ پر مبنی بھارتی اقدامات سے نہ صرف دونوں ممالک کے تعلقات خراب ہوئے بلکہ خطے کے امن کو بھی شدید خطرات لاحق ہوئے۔

بھارت نے درجنوں چھوٹے اور بڑے واقعات میں بغیر کسی ٹھوس شواہد اور ثبوتوں کے پاکستان کو ملوث کرنے اور اس پر بے بنیاد الزام تراشیوں کی کوششیں کر چکا ہے۔ 1980ء کی دہائی میں بھارتی مظالم کے باعث جب مقبوضہ جموں و کشمیر میں تحریک آزادی کو عروج ملا تو کشمیری بھارتی مظالم کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ بھارت نے کشمیریوں کی آواز کو دبانے، آزادی کی تحریک کو دہشت گردی کے ساتھ جوڑنے اور پاکستان پر الزامات عائد کرنے کی کوشش کی۔ اگر ہم مختصراً چیدہ چیدہ بھارتی فالس فلیگ آپریشن کا ذکر کریں تو:

1. 2001ء کا بھارتی پارلیمنٹ پر حملہ اور اس کے فوراً بعد ہی پاکستان پر الزامات عائد کرنا اسی سکرپٹ کا حصہ تھی۔
2. 2008ء میں سمجھوتہ ایکسپریس دھماکے میں 68 افراد جاں بحق ہوئے، جس کا بغیر کسی ٹھوس شواہد کے الزام پاکستان پر ڈالا گیا، لیکن تفتیش میں یہ بات سامنے آئی کہ اس گھناونے کھیل میں RSS کے ہندو شدت پسند ملوث تھے۔[6]
3. 2008ء کے ممبئی حملوں کو بھی پاکستان کے خلاف پروپیگنڈے کے طور پر استعمال کیا گیا۔ اس کے برعکس بھارتی وزارت داخلہ کے سابق افسر آر وی ایس مانی کے انکشاف نے بھارتی سازشوں کا پردہ چاک کر دیا تھا۔

ان کے مطابق 2001ء میں پارلیمنٹ اور 2008ء میں ممبئی حملے بھارت نے خود منصوبہ بندی سے کروائے تاکہ دہشتگردی کے نام پر سخت قوانین نافذ کیے جاسکیں اور پاکستان کو عالمی سطح پر بدنام کیا جاسکے۔ ان حملوں کے بعد بھارت نے سرحدوں پر جنگی ماحول پیدا کیا تھا جبکہ بے گناہ کشمیری نوجوان افضل گرو کو پھانسی دی گئی۔ ان واقعات کا مقصد پاکستان پر

[5]Ibid.
[6]The Hindu, Former RSS activist held for Samjhauta bombing - The Hindu https://share.google/JbqdVO3pgRAEeZySe

جھوٹے الزامات لگا کر دنیا کو گمراہ کرنا تھا۔[7] 2013ء میں سابق سی بی آئی افسر ستیش ورما نے انکشاف کیا تھا کہ یہ حملے خود بھارتی حکومت کی منصوبہ بندی کا حصہ تھے تاکہ انسداد دہشت گردی کے سخت قوانین منظور کروائے جاسکیں۔[8]

4. اسی طرح 2016ء کا پٹھان کوٹ واقعہ
5. 2016ء کا اڑی حملہ
6. 2019ء کا پلوامہ اور
7. 2025ء میں پہلگام حملہ

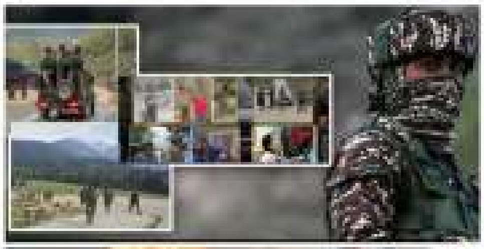

یہ سب ایسے واقعات ہیں جن میں بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے پاکستان کو ملوث قرار دیا گیا، جبکہ کئی مواقع پر بعد میں بھارتی حکام اور میڈیا کی اپنی رپورٹوں نے ان دعوؤں کی قلعی کھول دی ہے۔ پٹھان کوٹ کے بھارتی فضائی اڈے پر حملے کے فوراً بعد بھارت نے پاکستان پر انگلی اٹھائی اور بغیر کسی تحقیقات کے الزامات لگائے گئے، حالانکہ خود بھارتی عوام، غیر جانبدار میڈیا اور سیکیورٹی اداروں نے اس حملے کے دوران سیکیورٹی میں موجود خامیوں کی نشاندہی کی۔ پاکستان نے نہ صرف حملے کی مذمت کی بلکہ مشترکہ تحقیقاتی ٹیم بھی بھارت بھیجی، مگر بھارت کی جانب سے حوصلہ شکنی کے علاوہ کوئی تعاون نہیں کیا گیا۔ اسی طرح 2023ء میں بھی پاکستانی ایجنسیوں نے مقبوضہ کشمیر میں بھارتی فوج کا ایک منصوبہ ناکام بنایا، جس کا مقصد یوم جمہوریہ کے موقع پر پاکستان کو بدنام کرنا تھا۔

2019ء میں پاکستانی وزیر اعظم نے خدشہ ظاہر کیا تھا کہ "بھارت جموں وکشمیر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے توجہ ہٹانے کے لیے خود دہشت گردی کا کوئی واقعہ کروا کر پاکستان پر الزام تھوپنا چاہتا ہے۔ تاکہ اسے پاکستان کے خلاف فوجی کارروائی کا جواز مل سکے"۔[9]

پلوامہ حملے کے بعد بھارت نے بغیر کسی قابل تصدیق ثبوت کے پاکستان پر الزام عائد کرتے ہوئے ایک فالس فلیگ آپریشن کو بنیاد بنا کر پاکستان کی فضائی حدود کی خلاف ورزی کی تھی۔ یہ اقدام بھارت کے جارحانہ عزائم کا مظہر تھا، جس میں اس نے ایک خودمختار ریاست کی سالمیت اور خودمختاری کو پامال کیا تھا۔

پہلگام فالس فلیگ حملے کے بعد بھارتی میڈیا نے حسب روایت بغیر کسی ثبوت کے پاکستان کے خلاف بے بنیاد الزامات عائد کیے۔ انڈین میڈیا نے عالمی رائے عامہ کو گمراہ کرنے کی کوشش کی۔ دوران کشیدگی جھوٹے بیانیے، خبریں اور سنسنی خیز رپورٹس کے ذریعے بھارتی میڈیا نے عوامی جذبات کو بھڑکایا اور حکومت کی جنگی پالیسیوں کو جواز فراہم کیا۔ یہ پروپیگنڈانہ صرف پیشہ ورانہ صحافت کے اصولوں کی خلاف ورزی تھی بلکہ خطے کے امن کیلئے بھی شدید خطرہ ہے۔

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ بھارت کے ان جعلی پروپیگنڈا اور فالس فلیگ آپریشنز کا پول خود اس کے سرکاری افراد نے کئی مرتبہ کھولا ہے۔ مزید انہی افراد میں انکشافات کرتے ہوئے مقبوضہ جموں وکشمیر کے سابق گورنر نے پلوامہ حملے سازش کا پردہ چاک کر کے مودی سرکار کو بے نقاب کیا تھا۔[10]

22 اپریل 2025ء کو پہلگام، مقبوضہ جموں وکشمیر میں مبینہ فالس فلیگ حملے کے بعد بھارت نے حسب معمول چند

[7]The Economic Times, SIT officer told Parliament attack, 26/11 state-sponsored: RVS Mani - The Economic Times https://m.economictimes.com/news/politics-and-nation/sit-officer-told-parliament-attack-26/11-state-

[8]Tribune,https://tribune.com.pk/story/577017/startling-revelations-mumbai-parliament-attacks-orchestrated?amp=1

[9]The Express Tribune https://tribune.com.pk/story/2225910/indias-false-flag-op-divert-attention-iojk-genocide-imminent-pm

[10]Al Jazeera, https://www.aljazeera.com/amp/news/2023/4/17/pakistan-reacts-to-ex-kashmir-governors-revelations-on-pulwama

ہی منٹوں کے اندر اندر ہی بغیر کسی ٹھوس ثبوت اور شواہد کے پاکستان پر الزام عائد کیا، جسے پاکستان نے مسترد کرتے ہوئے غیر جانبدار تحقیقات کی پیشکش کی- بھارت نے فوراً سندھ طاس معاہدہ معطل کرنے، سرحدیں بند کرنے اور سفارتی تعلقات محدود کرنے جیسے اقدامات کیے، جس کے جواب میں پاکستان نے بھی دوطرفہ معاہدے معطل کرنے، فضائی وزمینی راستے بند کرنے اور سفارتی عملہ محدود کرنے کا اعلان کیا- پاکستان نے خبردار کیا کہ پانی روکنے کی کوئی بھی کوشش جنگی اقدام تصور ہوگی- چونکہ بھارت کا مقصد پاکستان کے جارحیت تھی اس لئے مئی 2025ء کے پہلے ہفتے میں بھارت نے پاکستان کی سالمیت اور خودمختاری کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مساجد اور عام شہریوں کو نشانہ بنایا جس دوران پاکستان نے بھارت کے 6 طیارے مار گرائے اور آپریشن بنیان مرصوص کے تحت زبردست ردعمل دیا- امریکہ کی ثالثی میں جنگ بندی تو ہو چکی ہے لیکن بھارتی قیادت کے بیانات کشیدگی کو بڑھانے کا باعث بن رہے ہیں اور خدشہ یہی کیا جارہا ہے کہ بھارت دوبارہ ایسی جعلی کارروائی کرکے پاکستان کے خلاف جارحیت کا مرتکب ہو سکتا ہے-

پاکستانی وزارتِ خارجہ کی سیکرٹری آمنہ بلوچ نے اسلام آباد میں مقیم مختلف ممالک کے سفیروں اور سفارتی نمائندوں کو مقبوضہ جموں و کشمیر کے علاقے پہلگام میں حالیہ حملے کے بعد کی بدلتی ہوئی صورتحال پر بریفنگ دی- انہوں نے قومی سلامتی کمیٹی کے اجلاس کے فیصلوں سے آگاہ کیا- خارجہ سیکرٹری نے پاکستان کے خلاف بھارت کی گمراہ کن مہم کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ ایسے ہتھکنڈے خطے میں امن و استحکام کی راہ میں رکاوٹ بن سکتے ہیں- انہوں نے واضح کیا کہ پاکستان ہر قسم کی دہشت گردی کو مسترد کرتا ہے- انہوں نے بھارت کی جانب سے کشیدگی بڑھانے کی کوششوں پر خبردار کیا اور کہا کہ پاکستان کسی بھی بھارتی مہم جوئی کا بھرپور جواب دینے کے لیے تیار ہے-

ان تمام بھارتی اقدامات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بھارت بار بار ایسے جعلی حملے کرکے عالمی برادری کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتا رہا ہے- پاکستان کو ایک دہشت گرد ریاست کے طور پر پیش کرنے کی یہ مہم دراصل ایک سوچا سمجھا منصوبہ ہے، جو خطے کے امن کے لیے خطرناک ہے-

ڈس انفولیب رپورٹ اور بھارتی پراپیگنڈا:

ڈس انفولیب ایک غیر سرکاری، تحقیقی ادارہ ہے جو یورپ میں واقع ہے اور اس کا مقصد عالمی سطح پر پھیلائے جانے والے جھوٹ، غلط اطلاعات اور پراپیگنڈے کو بے نقاب کرنا ہے- اس ادارے نے 9 دسمبر 2020ء میں "The Indian Chronicles" کے نام سے ایک تفصیلی رپورٹ شائع کی، جس نے بھارت کے زیرِ سایہ چلنے والے ایک وسیع پراپیگنڈا نیٹ ورک کو دنیا کے سامنے بے نقاب کیا گیا-اس رپورٹ کے مطابق:

> "بھارت مسلسل 15 سالوں یعنی 2005ء سے 2020ء تک 750 جعلی اور فیک ویب سائٹس اور 10 سے زیادہ جعلی این جی اوز کے ذریعے بین الاقوامی سطح پر ایک وسیع عالمی ڈس انفارمیشن منصوبے اور بھارتی مفادات کو فائدہ پہنچانے کیلئے پاکستان مخالف پروپیگنڈا پھیلا رہا تھا جس کا مقصد بین الاقوامی سطح پر پاکستان کو بدنام کرنا تھا"-[11]

اس کے علاوہ بھارت نے اقوام متحدہ اور یورپی یونین میں فرضی این جی اوز اور تنظیمیں رجسٹر کروا کر انسانی حقوق کی آڑ میں پاکستان کے خلاف مہم چلائی-ایسی ویب سائٹس بنائی گئیں جو بظاہر بین الاقوامی اداروں جیسی لگتی تھیں، مثلاً "EU Observer" یا "Times of Geneva"، تاکہ دنیا کو گمراہ کیا جاسکے-اسی طرح کچھ رپورٹس میں یہ بھی انکشاف ہوا کہ بھارت نے اقوام متحدہ میں ایسے افراد کے ناموں سے

[11]EU-DisinfoLab
https://www.disinfo.eu/publications/indian-chronicles-deep-dive-into-a-15-year-operation-targeting-the-eu-and-un-to-serve-indian-interests/

رپورٹس اور بیانات جمع کروائے جو کئی سال قبل وفات پا چکے تھے۔ ڈِس انفولیب کی رپورٹ کے بعد عالمی سطح پر بھارت کی شدید بدنامی ہوئی۔ دنیا کی نام نہاد سب بڑی جمہوریت کا دعویٰ کرنے والا بھارت ایسے گھٹیا پروپیگنڈا میں ریاستی سطح پر شامل رہا ہے۔

بھارت کے زیرِ سرپرستی جاری پراپیگنڈا مہم کے کئی بنیادی مقاصد تھے، جن میں سب سے اہم پاکستان کو عالمی سطح پر بدنام کرنا تھا۔ بھارت مسلسل یہ تاثر دینے کی کوشش کرتا آیا ہے کہ پاکستان ایک دہشت گرد ریاست ہے، تاکہ دنیا کی ہمدردیاں سمیٹی جاسکیں اور پاکستان کو عالمی تنہائی کا شکار بنایا جاسکے حالانکہ پاکستان خود بھارتی دہشت گردی اور اس کے زیر سرپرستی فتنہ الخوارج کی کارروائیوں کا نشانہ بنتا چلا آ رہا ہے۔ بھارتی نیوی کے حاضر سروس افیسر کلبھوشن یادیو کی گرفتاری اس کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

اسی مہم کے تحت بھارت مقبوضہ جموں وکشمیر میں جاری اپنے ریاستی مظالم سے دنیا کی توجہ ہٹانے کی بھی کوشش کرتا ہے۔ جب بھی مقبوضہ جموں وکشمیر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں سامنے آتی ہیں، بھارت فوری طور پر پاکستان مخالف پروپیگنڈا تیز کر دیتا ہے تاکہ اصل مسئلے پر پردہ ڈالا جاسکے۔

علاوہ ازیں، بھارت کی یہ مہم بین الاقوامی برادری کی ہمدردیاں حاصل کرنے کا ذریعہ بھی تھی۔ جعلی رپورٹس، جعلی این جی اوز اور جھوٹی خبریں اس لیے پھیلائی جاتی ہیں تاکہ بھارت مظلوم اور پاکستان ظالم کے طور پر پیش ہو۔ آخر میں، اس مہم کا ایک بڑا مقصد پاکستان کی کامیاب سفارتی کوششوں کو سبوتاژ کرنا ہے۔

بھارتی فالس فلیگ آپریشنز پر پاکستان کا ردعمل:

بھارت نے پاکستان کو موردِ الزام ٹھہرانے کے لئے اپنی سر زمین یا مقبوضہ جموں و کشمیر میں فالس فلیگ آپریشنز کروائے تو بغیر کسی ٹھوس شواہد اور ثبوتوں کے پاکستان پر فوراً الزامات عائد کرنے کی کوشش کی۔ 2008ء میں ممبئی حملوں کے چند گھنٹوں میں ہی بھارت نے میڈیا کے ذریعے پاکستان پر الزام لگانا شروع کر دیا، حالانکہ ابھی تحقیقات کا آغاز بھی نہیں ہوا تھا۔ بھارتی حکومت، میڈیا اور خفیہ ادارے ایک متفقہ بیانیہ تشکیل دے رہے تھے، جس میں یہ باور کروایا گیا کہ حملہ آور پاکستانی تھے اور پاکستان کی ریاستی ادارے ان کے پشت پناہ تھے۔ بھارت کا یہی رویہ اڑی حملے سے لے کر پہلگام تک جاری رہا۔

پاکستان نے ہمیشہ بھارتی فالس فلیگ آپریشنز پر نہایت سنجیدگی، بردباری، حکمت عملی اور بین الاقوامی قوانین اور اصولوں کی روشنی میں ردعمل دیا ہے۔ بھارتی رویے کے برعکس پاکستان کا رویہ جارحانہ نہیں بلکہ دفاعی اور دلیل پر مبنی رہا ہے۔ بھارت کے ان الزامات اور جھوٹے دعوؤں کا پاکستان نے نہ صرف بھرپور دفاع کیا، بلکہ حقائق وشواہد کے ساتھ دنیا کے سامنے کئی مرتبہ ڈوزیئرز کی صورت میں اصل تصویر بھی رکھی۔ ہر بڑے فالس فلیگ واقعے کے فوراً بعد، چاہے وہ پٹھان کوٹ ہو، اڑی ہو یا پلوامہ یا اب پہلگام ہو، بھارتی الزامات پر پاکستان نے سب سے پہلے تحمل کا مظاہرہ کیا۔

19 ستمبر 2016ء کو اڑی حملے کے بعد ترجمان دفتر خارجہ نے واضح کیا کہ:

"پاکستان کو اس حملے سے منسلک کرنا قبل از وقت اور غیر ذمہ دارانہ ہے۔ بھارت کا رویہ جان بوجھ کر الزام تراشی پر مبنی ہے تاکہ مقبوضہ کشمیر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے توجہ ہٹائی جاسکے"۔[12]

[12]Pakistan denies
https://m.rediff.com/amp/news/report/uri-attack-pak-denies-involvement-india-refuses-to-back-off/2016

پاکستان نہ صرف ان واقعات کی حکومت پاکستان نے مذمت کی بلکہ بغیر کسی خوف یا لاپرواہی کے واضح تردید جاری کی۔ پاکستان نے بھارت کو ہمیشہ غیر جانبدرانہ تحقیقات کی پیشکش کی۔ پٹھان کوٹ واقعہ میں پاکستان نے اپنی جے آئی ٹی بھارت بھیجی، جو کہ ایک غیر معمولی قدم تھا۔ اس سے پاکستان کی نیت اور شفافیت واضح ہوئی، مگر بھارت نے مکمل تعاون سے گریز کیا۔ اس کے علاوہ مثلاً 2019 میں پلوامہ حملے کے بعد وزیر اعظم پاکستان نے کھلے دل سے کہا کہ اگر بھارت کے پاس کوئی ثبوت ہیں تو پاکستان تحقیقات کے لیے تیار ہے۔ انہوں نے 19 فروری 2019ء کو واضح کیا کہ:

"ہم ہر قسم کی دہشتگردی کے خلاف ہیں۔ اگر بھارت ہمیں کوئی قابل اعتماد اور ٹھوس ثبوت دے گا، تو ہم تحقیقات کیلئے تیار ہیں۔ تاہم، اگر بھارت نے جارحیت کی کوشش کی تو ہم سوچیں گے نہیں، بلکہ جواب دیں گے"۔[13]

پاکستان نے اقوام متحدہ، آئی سی جے، OIC اور دیگر بین الاقوامی فورمز پر ان واقعات کو مؤثر طریقے سے اٹھایا۔ کلبھوشن یادیو کا معاملہ ہو یا ڈس انفولیب رپورٹ، پاکستان نے شواہد کے ساتھ عالمی ضمیر کو جھنجھوڑا اور بھارتی سازشوں کو بے نقاب کیا۔

پاکستان نے داخلی اور خارجی میڈیا کو مؤثر انداز میں استعمال کیا۔ بین الاقوامی صحافیوں، تجزیہ کاروں اور سفارت کاروں کو مدعو کر کے زمینی حقائق سے آگاہ کیا۔ پلوامہ اور بالا کوٹ کے بعد غیر ملکی صحافیوں اور میڈیا نمائندوں کو جائے وقوعہ کا دورہ بھی کروایا گیا تاکہ بھارت کے جھوٹے دعوے بے نقاب ہوں۔

پاکستان کا مؤقف ہمیشہ امن پر مبنی رہا ہے۔ 2019ء میں بھارتی پائلٹ ابھی نندن کی فوری واپسی، جنگ کی فضا کو ٹھنڈا کرنے کی سنجیدہ کوشش تھی۔ اس عمل نے دنیا بھر میں پاکستان کے مثبت اور ذمہ دارانہ کردار کو سراہا گیا۔ حال ہی میں بھارتی جارحیت کے خلاف پاکستان کے ردعمل اور ذمہ دار ریاست ہونے کے ناطے اٹھائے گئے اقدامات کو عالمی سطح پر پذیرائی ملی ہے جبکہ 6 طیارے گرنے کے بعد مودی سرکار کو خود بھارت کے اندر بین الاقوامی سطح پر ہزیمت کا سامنا ہے۔

بھارتی پروپیگنڈا: پاکستان پر عالمی برادری کا اعتماد اور سفارتی کامیابیاں

بھارتی ناپاک خواہشات کے برعکس پاکستان پر عالمی برادری کا اعتماد بڑھا ہے۔ خصوصاً آخری ان دو دہائیوں کے عرصے میں پاکستان نے بھارتی پشت پناہی میں شدید دہشتگردی کی لہر دیکھی۔ ڈان اخبار کی رپورٹ کے مطابق 2001ء سے 2018ء تک پاکستان کا مجموعی نقصان 126.79 بلین ڈالر رہا جبکہ 65 ہزار جانوں کا ضیاع ہوا جس میں آرمی پبلک سکول کے 132 معصوم بچے بھی شامل ہیں۔ پاکستان میں کھیلوں کے میدان غیر آباد ہو چکے تھے اور پاکستان ایف اے ٹی ایف کی بلیک لسٹ میں شامل ہونے کے قریب ہو گیا تھا۔

ان تمام مشکل ترین حالات کے باوجود اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت سے پوری پاکستانی قوم پایۂ استقلال کے ساتھ کھڑی رہی اور بھارتی پروپیگنڈا نے منہ کی کھائی جبکہ پاکستان پر عالمی دنیا کا اعتماد بحال ہوا۔ آج الحمد للہ! پاکستان میں کھیلوں کے میدان آباد ہیں۔ مختلف قسم کے کھیلوں کی ٹیمیں پاکستان کا دورہ کر چکی ہیں۔ پاکستان سپر لیگ کے کئی ایڈیشن پاکستان میں کامیابی سے کھیلے جا چکے ہیں۔

کھیلوں کے ساتھ ساتھ مختلف بین الاقوامی ایونٹس خصوصاً او آئی سی وزرائے خارجہ کانفرنس مارچ 2022ء اور SCO کونسل آف ہیڈ آف گورنمنٹ سمٹ اکتوبر 2024ء میں کامیابی کے ساتھ پاکستان کی میزبانی میں انعقاد پذیر

[13] Prime Minister Imran Khan statement https://www.pmo.gov.pk/pm_speech_details.php?speech_id=98

ہوئیں- اس سے قبل 2017ء میں پاکستان کو اس تنظیم کی رکنیت ملی- اس کے علاوہ اکتوبر 2022ء میں عالمی ادارے فنانشل ایکشن ٹاسک فورس (ایف اے ٹی ایف) نے پاکستان کو اپنی گرے لسٹ سے نکال دیا تھا جو پاکستان کی منی لانڈرنگ اور ٹیرر فنانسنگ کے خلاف اُٹھائے گئے اقدامات پر مہر ثبت کی گئی- اس عرصہ کے دوران پاکستان کے یورپی ممالک، مشرقِ وسطیٰ، وسطی ایشیا کے ممالک اور خصوصاً روس اور چین کے ساتھ تعلقات میں مزید وسعت پیدا ہوئی- 2014 میں ملٹی بلین پراجیکٹ سی پیک کا پاکستان میں آغاز ہوا- اس کے علاوہ پاکستان نے انگیج افریقہ پالیسی کے تحت خطہ افریقہ کے کئی ممالک کے ساتھ اپنے تعلقات کو وسعت دی-

اسی طرح حال ہی میں اس برس 2025ء کے آغاز پر پاکستان آٹھویں مرتبہ 2 سال کے لیے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے غیر مستقل رکن کی حیثیت سے ذمے داریاں ادا کر چکا ہے- واضح رہے کہ جنرل اسمبلی کے 193 رکن ممالک میں سے 182 ممالک نے پاکستان کو ووٹ دیے تھے جو دو تہائی اکثریت کے لیے مطلوب 124 ووٹوں سے کہیں زیادہ تھے جو کہ پاکستان کی کامیاب سفارتی کاوشوں اور عالمی دنیا کے اعتماد کا نتیجہ تھا- اس کے علاوہ جون 2025 میں پاکستان کو اقوام متحدہ سلامتی کونسل کی انسدادِ دہشتگردی کمیٹی کا نائب چیئرمین اور طالبان پر عائد پابندی کے نفاذ کی نگراں کمیٹی کا چیئرمین مقرر کیا گیا ہے- پاکستان کی اس کامیابی کو تجزیہ نگار بھارت کے لیے ایک بڑا سفارتی دھچکا قرار دیا جا رہا ہے-

اختتامیہ:

جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی ملک کی طرف سے کیا گیا فالس فلیگ آپریشن نہ صرف ان دو ممالک کے درمیان کشیدگی کو بڑھاتے ہیں بلکہ عالمی امن، اعتماد اور انصاف کے اصولوں کو بھی مجروح کرتے ہیں- جب کوئی ریاست جھوٹے حملے کی منصوبہ بندی کر کے دوسرے ملک پر الزام لگاتی ہے، تو اس سے جنگ کا خطرہ، عوامی جذبات کا استحصال اور بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی جنم لیتی ہے- ایسے اقدامات نہ صرف علاقائی نہیں بلکہ عالمی سلامتی کے لیے خطرہ ہوتے ہیں- یہی روش اور روایت بھارت نے کئی دہائیوں سے پاکستان کے خلاف اپنا رکھی ہے- بھارتی جارحیت کے باعث دو نیوکلیئر ہتھیاروں سے لیس ممالک کے درمیان پیدا ہونے والی تنازع میں کشیدگی بہت بڑے خطرے کا باعث بن سکتی ہے-

اس سنگین صورتحال میں اقوام متحدہ اور عالمی برادری کی خاموشی پہ خود سوالیہ نشان عائد ہوتے ہیں- آج کی کہلائی جانے والی مہذب دنیا کے قائم کردہ عالمی اداروں کی یہ اخلاقی اور قانونی ذمہ داری ہے کہ جب کسی واقعہ میں فالس فلیگ آپریشن کا شبہ ہو، تو بین الاقوامی سطح پر آزاد، شفاف اور غیر جانبدارانہ تحقیقات عمل میں لائی جائیں- صرف مظلوم ملکوں سے ثبوت مانگنے کی بجائے، الزام لگانے والے ملک کو بھی جوابدہ بنایا جائے-

مزید برآں، اگر کوئی ملک دانستہ طور پر جھوٹا الزام لگا کر کسی دوسرے ملک کو عالمی سطح پر بدنام کرے، جنگ کا جواز پیدا کرے یا اقتصادی و سفارتی نقصان پہنچائے، تو اس ملک پر اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے تحت پابندیاں عائد کی جانی چاہئیں کیونکہ اقوام متحدہ کا منشور عالمی امن کا ضامن ہے- اس کے ساتھ ساتھ خصوصاً ڈس انفولیب کی رپورٹس کی روشنی میں میڈیا پراپیگنڈے، جعلی سفارتی نیٹ ورکس اور جھوٹی رپورٹس پھیلانے والی ریاستوں کا محاسبہ ہونا چاہیے- فالس فلیگ آپریشنز کے خلاف عالمی سطح پر واضح اصول، ضوابط اور سزا کا تعین نہ کیا گیا تو مستقبل میں یہ طریقہ کار کئی قوموں کے لیے تباہ کن نتائج کا سبب بنے گا- اس تمام تناظر میں، پاکستان کا مؤقف نہ صرف اخلاقی برتری کا حامل ہے بلکہ بین الاقوامی ضمیر کے لیے ایک آزمائش بھی ہے کہ وہ سچائی کو تسلیم کرے اور خطے میں دیرپا امن کے لیے تعصبات سے بالاتر ہو کر کردار ادا کرتے ہوئے مقبوضہ جموں و کشمیر اور جوناگڑھ سمیت تاریخی مسائل کو حل کروائیں تاکہ دہائیوں سے جاری بھارتی مظالم اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کو روکا جا سکے-

☆☆☆

پاکستان کی خارجہ پالیسی: بدلتے عالمی منظر نامے میں

محمد طہٰ سلیم

پاکستان کے قیام کے وقت دفترِ خارجہ (Foreign Office) میں عملہ نہایت محدود تھا اور صرف چار تربیت یافتہ افسران موجود تھے جن میں اکرام صاحب کو سیکرٹری خارجہ مقرر کیا گیا۔ ان حالات کے باوجود، قائداعظم محمد علی جناح نے ایک بصیرت افروز خارجہ پالیسی کی بنیاد رکھی جو امن، عالمی تعاون اور قانونی سفارت کاری (Lawful Diplomacy) پر مبنی تھی۔ وہ عالمی امن کے پرزور حامی تھے اور اقوام متحدہ (United Nations) سے ابتدائی سطح پر رابطہ کر کے پاکستان کی رکنیت کیلئے اقدامات کیے۔ ان کی اقوام متحدہ سے وابستگی دراصل قوموں کی برادری (Community of Nations) کے تصور کی حمایت تھی جہاں مختلف نظریات رکھنے والی قومیں باہمی احترام کے ساتھ امن قائم رکھ سکیں۔

محمد علی جناح کی خارجہ پالیسی میں خود ارادیت کے حق (Right to Self-Determination) اور مظلوم اقوام سے یکجہتی کو مرکزی حیثیت حاصل تھی، چاہے ان کا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو۔ فلسطین کے لیے مسلسل حمایت کے ساتھ ساتھ انڈونیشیا، شام، مراکش، برما اور سیلون جیسے ممالک کی تحریکوں کی حمایت آپ کے وسیع ترانسانی جذبے کی عکاسی کرتی ہے۔ اس کے علاوہ، آپ اسلامی ممالک کے ساتھ برادرانہ تعلقات (Brotherly Ties) قائم کرنے کے خواہاں تھے۔ پاکستان کا پہلا سفارتی وفد فیروز خان نون کی قیادت میں، صرف مسلم ممالک جیسے ترکیہ، شام، لبنان اور اردن کے دورے پر گیا۔ وسائل کی کمی کے باوجود آپ نے ایران اور افغانستان[1] جیسے مشکل ہمسایہ ممالک کے ساتھ تعلقات کو دانشمندی سے سفارتکاری، باہمی احترام اور ثقافتی تبادلے (Cultural Exchange) کے ذریعے سنبھالا۔ آپ کی پالیسی کا ایک اور اہم ستون تمام ہمسایہ ممالک کے ساتھ پرامن بقائے باہمی (Peaceful Coexistence) تھا، چاہے وہ بھارت ہو، چین ہو یا برما، اگرچہ ان کے ساتھ کشیدگی موجود تھی۔ سرد جنگ (Cold War) کے دو قطبی دور میں قائد کی غیر جانبداری، خود مختاری اور نظریاتی آزادی کے عزم کا ثبوت تھی۔[2]

فروری 1948ء میں، پاکستان کے پہلے گورنر جنرل نے امریکہ کے عوام سے ریڈیو خطاب میں پاکستان کی خارجہ پالیسی کے درج ذیل اہداف بیان کیے۔

> *"Our foreign policy is one of friendliness and goodwill towards all the nations of the world. We do not cherish aggressive designs against any country or nation. We believe in the principle of honesty and fair play in national and international dealings and are prepared to make our utmost contribution to the promotion of peace and prosperity among the nations of the world. Pakistan will never be found lacking in extending its material and moral support to the oppressed and suppressed peoples of the world, and in upholding the principles of the United Nations Charter".*[3]

[1] سرد جنگ کے دوران، پاکستان کے افغانستان اور ایران سے تعلقات خطے کی صورتحال اور نظریاتی اختلافات سے متاثر رہے۔ پاکستان نے سوویت قبضے کے خلاف افغان مجاہدین کی حمایت کی، جبکہ ایران سے تعلقات مغربی بلاک میں شراکت داری اور علاقائی سیکیورٹی تعاون پر مبنی تھے۔ 1979 کے ایرانی انقلاب کے بعد نظریاتی اختلافات کے باوجود، پاکستان نے دونوں ممالک سے تعلقات قائم رکھے تاکہ اسٹریٹجک مفادات اور خطے میں امن و استحکام کو یقینی بنایا جاسکے۔

[2] Dar, Farooq Ahmad. "Pakistan's Foreign Policy in the Light of Quaid-e-Azam's Vision." Muslim Perspectives, 2019. Accessed June 4, 2025. https://www.muslim-perspectives.com/Publication-Detail?publication=72/Pakistan%E2%80%99s-Foreign-Policy-in-the-Light-of-Quaid-e-Azam%E2%80%99s-Vision.

[3] Ministry of Foreign Affairs, Government of Pakistan. "*Foreign Policy*." Accessed June 4, 2025. https://mofa.gov.pk/foreign-policy.

"ہماری خارجہ پالیسی دنیا کی تمام اقوام کے ساتھ دوستانہ تعلقات اور خیر سگالی پر مبنی ہے۔ ہمارا کسی بھی ملک یا قوم کے خلاف جارحانہ عزائم رکھنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ ہم قومی اور بین الاقوامی معاملات میں دیانتداری اور انصاف کے اصول پر یقین رکھتے ہیں اور دنیا کی اقوام کے درمیان امن اور خوشحالی کے فروغ کے لیے اپنی بھرپور کوششیں کرنے کے لیے تیار ہیں۔ پاکستان کبھی بھی دنیا کے مظلوم اور محکوم عوام کی مادی اور اخلاقی مدد فراہم کرنے میں پیچھے نہیں رہے گا، اور اقوام متحدہ کے منشور کے اصولوں کی پاسداری میں پیش پیش رہے گا"۔

آج پاکستان کی خارجہ پالیسی کو کئی پیچیدہ چیلنجز کا سامنا ہے، جس کی وجہ امریکہ اور چین کے درمیان بڑھتی ہوئی رقابت (U.S.-China rivalry)، خطے میں عدم استحکام (regional instability)، اور بدلتے ہوئے عالمی اتحاد (global alliances) ہیں۔ دوسری جانب، افغانستان میں طالبان کی واپسی، ایران کے ساتھ سرحدی کشیدگی جن میں سرحد پر اسمگلنگ، انسانی نقل و حرکت اور غیر قانونی سرگرمیاں شامل ہیں اور فلسطین کے مسئلے پر امریکی حمایت کے باعث پیدا ہونے والی پیچیدگیاں، پاکستان کی سفارتی صورت حال کو مزید مشکل بنا رہی ہیں۔ موجودہ اقتصادی مسائل (economic leverage) اور سیکیورٹی خطرات کے پیش نظر، پاکستان کی خارجہ پالیسی میں چین اور امریکہ دونوں کے ساتھ توازن برقرار رکھنا، علاقائی امن کے لیے آواز بلند کرنا، قومی مفادات کا دفاع کرنا، اور فلسطین اور کشمیر جیسے مظلوم اقوام کی حمایت کرنا شامل ہے۔ ساتھ ہی، پاکستان کو تزویراتی خودمختاری (strategic autonomy) اور کثیر الجہتی سفارت کاری (multilateral diplomacy) کو فروغ دینا ہے۔[4]

خارجہ پالیسی کے اصطلاحی معنی

خارجہ پالیسی ایک حکمتِ عملی ہے جس کے ذریعے حکومتیں اپنے سفارتی تعلقات اور بین الاقوامی تعاملات کو منظم کرتی ہیں۔ یہ کسی ملک کی اقدار (Values)، مقاصد (Goals) اور عالمی سطح پر اس کے مفادات (Interests) کی عکاسی کرتی ہے، جن میں سیاسی، معاشی اور سلامتی سے متعلق امور شامل ہوتے ہیں۔ خارجہ پالیسی پر اثر انداز ہونے والے عوامل میں جغرافیائی، مالیاتی، اور سیاسی حالات، دیگر ممالک کی پالیسیاں، عالمی سطح پر جنگیں یا تجارتی ترقی (Trade Developments) اور طویل المدتی اہداف جیسے تکنیکی یا معاشی ترقی شامل ہیں۔ خارجہ پالیسی ملکی داخلی پالیسی (Domestic Policy) کے ساتھ مل کر کام کرتی ہے تاکہ اندرونی استحکام اور بین الاقوامی حیثیت کو مضبوط بنایا جا سکے، اور سفارتکاروں اور حکومتی اداروں کو مشترکہ چیلنجز کے حل میں مدد ملے۔

خارجہ پالیسی عالمی سیاست (Global Politics) اور عالمی معیشت (World Economy) کو متاثر کرتی ہے۔ یہ نہ صرف عالمی حالات سے متاثر ہوتی ہے بلکہ ان پر اثر بھی ڈالتی ہے، خاص طور پر اقوام متحدہ، او آئی سی (OIC)، نیٹو (NATO)، اور یورپی یونین (EU) جیسے اداروں کے ذریعے۔ اس کے اقتصادی اثرات بہت گہرے ہوتے ہیں، خارجہ پالیسی کے فیصلے عالمی منڈیوں (Global Markets) کو بدل سکتے ہیں، رسد کے نظام (Supply Chains) میں خلل ڈال سکتے ہیں اور تجارتی حرکیات (Trade Dynamics) کو تبدیل کر سکتے ہیں، جیسا کہ ہمیں یوکرین کی جنگ اور کووڈ-19 کی عالمی وبا کے دوران دیکھنے کو ملا۔[5]

افلاطون (Plato) کے نزدیک:

"He who wishes to serve his country must have not only the power to think, but the will to act".[6]

"جو شخص اپنے ملک کی خدمت کرنا چاہتا ہے، اس کے پاس صرف سوچنے کی صلاحیت ہی نہیں بلکہ عمل کرنے کا عزم بھی ہونا چاہیے"۔

[4]Hasnat, Iqra. "Pakistan Foreign Policy Challenges: Post US Presidential Election 2024." *The Express Tribune*, February 14, 2025. https://tribune.com.pk/story/2528540/pakistan-foreign-policy-challenges-post-us-presidential-election-2024.

[5]University of York. "What Is Foreign Policy?" *University of York Online*, accessed June 4, 2025. https://online.york.ac.uk/resources/what-is-foreign-policy/.

[6]Plato, quoted in *The Great Thoughts*, compiled by George Seldes (New York: Ballantine Books, 1985).

اس کے علاوہ ہانس جے مورگنتھاؤ (Hans J. Morgenthau) ایک جرمن، امریکی ماہر بین الاقوامی تعلقات، جو حقیقت پسندی (Realism) کے نظریے کے بانیوں سے ہیں ان کے مطابق:

"International politics, like all politics, is a struggle for power".[7]

"بین الاقوامی سیاست، تمام سیاست کی طرح، طاقت کے حصول کی جدوجہد ہے"۔

زیادہ تر دو اقسام کی خارجہ پالیسی ہوتی ہیں۔ ایک نرم خارجہ پالیسی جو کشش، قائل کرنے (Persuasion)، ثقافتی اقدار (Cultural Values)، سیاسی نظریات (Political Ideals) اور سازگار خارجہ پالیسیوں (Favorable Foreign Policies) کے فروغ پر انحصار کرتی ہے تاکہ طویل مدتی اتحاد (Long-term Alliances) بنائے جا سکیں اور عالمی رائے (Global Opinion) پر اثر ڈالا جا سکے۔ یہ سفارت کاری میڈیا، تعلیم اور مشترکہ مفادات (Shared Interests) کے ذریعے تعاون کو فروغ دیتی ہے۔ اس طریقہ میں طاقت اور دھمکیوں کا استعمال نہیں کیا جاتا۔

اس کے برعکس، سخت خارجہ پالیسی (Hard Foreign Policy) میں زبردستی (Coercion) شامل ہوتی ہے، جیسے کہ فوجی طاقت (Military Strength)، معاشی دباؤ (Economic Pressure)، پابندیاں (Sanctions)، یا مراعات (Inducements) کا استعمال، تاکہ دیگر ممالک کو کسی خاص طریقے سے عمل کرنے پر مجبور کیا جا سکے۔ جہاں نرم طاقت (Soft Power) خیر سگالی (Goodwill) اور پائیدار شراکت داری پیدا کرتی ہے، وہاں سخت طاقت (Hard Power) فوری نتائج دیتی ہے، لیکن اس کے ساتھ رد عمل کا خطرہ بھی ہوتا ہے۔[8]

کارل فون کلاوزویٹ (Carl von Clausewitz) جرمن فوجی نظریہ ساز اور اسٹریٹیجسٹ تھے جنہوں نے جنگ اور سیاست کے تعلق پر گہری تحقیق کی، ان کے مطابق:

"War is merely the continuation of policy by other means"[9].

"جنگ دراصل پالیسی کا تسلسل ہے، مگر دوسرے ذرائع سے"۔

پاکستان کی خارجہ پالیسی کو درپیش مسائل:

تیزی سے بدلتی ہوئی کثیر قطبی دنیا (multipolar world) (جب ایک سے زیادہ طاقتور ممالک ہوں) میں پاکستان کو بڑی عالمی طاقتوں جیسے چین، امریکہ اور روس کے ساتھ اپنے تعلقات میں توازن قائم رکھنے جیسے پیچیدہ چیلنجز کا سامنا ہے، جبکہ اسلامی ممالک کے ساتھ اسٹریٹجک روابط اور بھارت کے ساتھ علاقائی کشیدگی بھی موجود ہے۔ تاریخی صف بندیاں تبدیل ہو رہی ہیں اور نئے جیو پولیٹیکل حالات ابھر رہے ہیں، جن کے پیش نظر پاکستان کی خارجہ پالیسی کو چین۔پاکستان اقتصادی راہداری (CPEC)، بھارت میں امریکی مفادات، روس کے ساتھ بڑھتے تعلقات اور مسلم دنیا میں فرقہ وارانہ کشمکش جیسے معاملات کو سنبھالنا ہوتا ہے۔ غیر ملکی امداد اور عالمی اداروں تک رسائی پر انحصار بھی فیصلوں کو مزید پیچیدہ بناتا ہے۔ قومی مفادات اور استحکام کے لیے ایک متوازن، خود مختار اور حقیقت پسندانہ خارجہ پالیسی درکار ہے جو غیر جانبداری، اقتصادی مضبوطی اور علاقائی تعاون پر مبنی ہو۔[10]

[7]Morgenthau, Hans J. *Politics Among Nations: The Struggle for Power and Peace*. 5th ed. New York: Alfred A. Knopf, 1978.

[8]Rebecca Kivak, "*Soft and Hard Power*," *EBSCO Research Starters: Social Sciences and Humanities*, published 2025, https://www.ebsco.com/research-starters/social-sciences-and-humanities/soft-and-hard-power.

[9]Carl von Clausewitz, *On War*, ed. and trans. Michael Howard and Peter Paret (Princeton, NJ: Princeton University Press, 1976)

[10]Rao, Mahum. "Pakistan's Foreign Policy Challenges in Multipolar World." *The Tribune International*, June 2, 2025. https://thetribuneinternational.com/2025/06/02/pakistans-foreign-policy-challenges-in-multipolar-world/.

امریکہ اور چین کے درمیان جاری تجارتی جنگ نے پاکستان کو ایک نازک معاشی، قانونی اور سفارتی صورتحال میں ڈال دیا ہے۔ چین کی جانب سے سی پیک کے تحت 65 ارب ڈالر کی سرمایہ کاری اور امریکہ کے ساتھ دیرینہ تجارتی تعلقات کی موجودگی پاکستان کو ایک پیچیدہ توازن میں لے آئی ہے جہاں کسی ایک فریق کی حمایت مہنگے قانونی نتائج یا معاشی پابندیوں (sanctions) کا باعث بن سکتی ہے۔ امریکہ نے چینی اشیاء پر 145 فیصد تک ٹیرف (tariff) لگا دیا، جس کے رد عمل میں چین نے 125 فیصد ٹیرف نافذ کیا اور صرف 20 دنوں میں امریکی معیشت کو 4 ٹریلین ڈالر کا نقصان ہوا، جس سے عالمی مارکیٹ غیر مستحکم ہو گئی۔ پاکستان کا ٹیلی کام سیکٹر چینی کمپنیوں جیسے ہواوے (Huawei) اور زیڈ ٹی ای (ZTE) پر انحصار کرتا ہے، جبکہ ڈیٹا پروٹیکشن کے مؤثر قوانین کی عدم موجودگی امریکی کمپنیوں کی ناراضگی اور ممکنہ پابندیوں کا باعث بن سکتی ہے۔ کیونکہ امریکہ کو خدشات ہیں کہ چینی کمپنیاں حساس ڈیٹا تک رسائی حاصل کر سکتی ہیں۔ ایسی صورتحال میں قانونی، اقتصادی اور سفارتی دباؤ کے درمیان توازن قائم رکھنا ایک حساس چیلنج بن چکا ہے، جہاں ہر قدم بین الاقوامی قانون اور عالمی تعلقات پر گہرے اثرات مرتب کر سکتا ہے۔[11]

روس-یوکرین بحران، جو 24 فروری 2022ء کو مکمل جنگ (full-scale invasion) کی صورت اختیار کر گیا اور جو اب تک جاری ہے، نے پاکستان کی معیشت، سفارتکاری اور تزویراتی استحکام (strategic stability) کو نمایاں طور پر متاثر کیا۔ پاکستان، اگرچہ جغرافیائی لحاظ سے دور ہے، پھر بھی اسے (گلوبلائزیشن کی وجہ سے) شدید معاشی اثرات کا سامنا کرنا پڑا، خوراک اور توانائی کی قیمتوں میں اضافہ ہوا کیونکہ یوکرین سے درآمدات میں خلل آیا اور عالمی سطح پر تیل کی قیمتوں میں اضافہ ہوا۔ مثال کے طور پر، پاکستان کی گندم کی درآمدات، جو 1996ء سے 2020ء تک سالانہ 15.5 فیصد کی شرح سے بڑھ رہی تھیں، متاثر ہوئی، جس سے غذائی عدم تحفظ بڑھا۔ توانائی کی قلت میں اضافہ ہوا کیونکہ مائع قدرتی گیس (LNG) اور تیل کی قیمتیں بڑھ گئیں۔ 6.5 ملین مہاجرین (refugees) اور عالمی سپلائی چین (global supply chains) شدید دباؤ کا شکار ہوئیں۔ سفارتی سطح پر، پاکستان کو روس کے ساتھ تعلقات قائم رکھنے اور مغربی طاقتوں (Western powers) کی طرف سے لگائی گئی پابندیوں (sanctions) میں توازن قائم رکھنے کا چیلنج درپیش رہا۔[12]

پاکستان کے اسٹریٹیجک عزائم (strategic ambitions) وسطی ایشیائی ریاستوں کے ساتھ تعلقات کو گہرا کرنے پر مرکوز ہیں، خاص طور پر توانائی کے تعاون، تجارت اور علاقائی رابطے کیلئے۔ تاہم، پاکستان کو کئی اہم رکاوٹوں کا سامنا ہے، TAPI (ترکمانستان-افغانستان-پاکستان-انڈیا) گیس پائپ لائن جیسے منصوبے متاثر ہیں، یہ منصوبہ 1100 میل سے زائد طویل ہے اور سالانہ 33 ارب مکعب میٹر (billion cubic meters) قدرتی گیس کی فراہمی کا ہدف رکھتا ہے۔ ایران-پاکستان تعلقات، اگرچہ 2012 میں گیس پائپ لائن کے معاہدے کے تحت بہتر ہونے کی امید تھی، اب بھی کشیدہ ہیں کیونکہ دونوں ممالک کے درمیان 900 کلومیٹر سے زائد سرحد (border) کو منشیات کی اسمگلنگ، شدت پسندی اور غیر قانونی نقل و حرکت سے روکنا ایک بڑا چیلنج ہے۔

پاکستان کو چین اور مغرب، خصوصاً امریکہ، کے ساتھ تعلقات میں توازن قائم رکھنے کیلئے بڑھتے ہوئے دباؤ کا سامنا ہے، کیونکہ مغربی مالیاتی اداروں (Western Financial Institutions) پر انحصار کے باعث پاکستان کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہو رہے ہیں۔ اگرچہ چینی شہریوں کے لیے مشترکہ سیکیورٹی نظام نافذ کرنے کی کوششیں کی گئی ہیں، لیکن ان میں ابہام اور عملی رکاوٹیں درپیش ہیں، باوجود اس کے کہ انسداد دہشتگردی (Counterterrorism) اور انٹیلی جنس

---

[11]Imran, Areeba. "*Trade War Between the US & China: Navigating Pakistan's Legal Tightrope.*" *Paradigm Shift*, May 8, 2025. https://www.paradigmshift.com.pk/trade-war-us-china/.

[12]Noor, Rida. "Russia-Ukraine Crises and its Impact on Pakistan." *Social Science Review Archives* 3, no. 1 (2025): 818-828.

تعاون کو فروغ دینے کے وعدے کیے گئے ہیں۔[13] اس کے علاوہ پاکستان کے دنیا کے ساتھ تجارتی تعلقات بھی متاثر ہو سکتے ہیں۔

2023ء میں پاکستان نے عالمی تجارت میں اپنی شراکت جاری رکھی، لیکن تجارتی خسارے اور محدود تجارتی انضمام کے باعث اسے چیلنجز کا سامنا رہا۔ اگرچہ پاکستان کی برآمدات میں اضافہ ہوا، تاہم درآمدات کے زیادہ ہونے کے سبب تجارتی توازن منفی رہا۔

پاکستان کی 2023 کی عالمی تجارتی صورتحال[14]:

- کل برآمدات (Total Exports): تقریباً 35.8$ ارب
- عالمی درجہ بندی: دنیا کا 66واں بڑا برآمد کنندہ
- اہم برآمدی منڈیاں (Top Export Destinations):
  - امریکہ: 5.18$ ارب
  - متحدہ عرب امارات: 3.7$ ارب
  - چین: 3.4$ ارب
  - جرمنی: 2.43$ ارب
  - برطانیہ: 2.28$ ارب
- اہم برآمدی اشیاء (Top Export Commodities):
  - ہاؤس لینن (House Linens): $4.07 ارب
  - ریفائنڈ پیٹرولیم (Refined Petroleum): $2.79 ارب
  - چاول (Rice): $2.47 ارب
  - نان نٹ مردانہ سوٹس (Non-knit Men's Suits): $2.27 ارب
  - نٹ سویٹرز (Knit Sweaters): $1.56 ارب
- تجارتی خسارہ (Trade Deficit): تقریباً 19.5$ ارب

خارجہ پالیسی علاقائی منظرنامے میں:

پاکستان کا جغرافیائی محل وقوع (Geopolitical Location) جنوبی ایشیا میں ہے، جو اسے ایک نہایت حساس علاقائی تناظر میں رکھتا ہے۔ پاکستان کی سرحدیں بھارت، افغانستان، ایران اور چین سے ملتی ہیں، جس کے باعث اسے کئی اسٹریٹیجک (Strategic) چیلنجز کا سامنا ہے۔ بھارت کے ساتھ دیرینہ دشمنی، خاص طور پر مسئلہ کشمیر کی وجہ سے، دونوں ممالک کے درمیان بار بار جنگیں اور ایک مستقل ہتھیاروں کی دوڑ، حتیٰ کہ ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری (Nuclearization) دیکھنے کو ملتی ہے۔ افغانستان کی صورتحال، خاص طور پر امریکی مداخلت کے دوران اور بعد میں، پاکستان کی مغربی سرحدوں کو غیر مستحکم کرتی رہی ہے، جس کے نتیجے میں پناہ گزینوں کی آمد، عسکریت پسندی (Militancy) اور سرحد پار کشیدگی جیسے مسائل پیدا ہوئے۔ چین کے ساتھ اقتصادی تعاون خصوصاً چائنا-پاکستان معاشی راہداری کے ذریعے انفراسٹرکچر (Infrastructure) کی ترقی کے مواقع تو پیدا ہوئے ہیں، لیکن اس سے علاقائی سطح پر تزویراتی مقابلے (Strategic Competition) میں اضافہ بھی ہوا ہے اور بھارت و مغرب کی طرف سے سیکیورٹی خدشات بھی بڑھتے ہیں۔ پاکستان کی اندرونی سیکیورٹی کو مزید پیچیدہ بنانے والے عناصر میں غیر ریاستی عناصر اور فرقہ وارانہ تشدد ہیں۔[15]

مئی میں بیجنگ (Beijing) میں ایک اہم اجلاس ہوا جس میں پاکستان اور افغانستان نے سفارتی تعلقات دوبارہ قائم کرنے پر اتفاق کیا، جو برسوں سے خراب تھے۔ اس موقع پر افغانستان کو چائنا-پاکستان اقتصادی راہداری میں شامل کرنے کی دعوت بھی دی گئی، جو چین کی اقتصادی منصوبہ بندی کا اہم حصہ ہے۔ یہ پیش رفت چین کی ثالثی کی کوششوں کا نتیجہ ہے، جسے علاقائی استحکام کیلئے ضروری سمجھا جا رہا ہے۔ طالبان حکومت نے دہشت گردوں کی کارروائیاں روکنے کا عہد کیا ہے تاکہ پاکستان کے مغربی سرحدی علاقے کو محفوظ بنایا جا سکے، جو CPEC کی سرمایہ کاری کے لیے بھی اہم ہے۔ چین نے اس معاہدے کو اپنی عالمی سفارتی حیثیت مضبوط کرنے کا ذریعہ بھی بنایا ہے، جبکہ افغان طالبان کو معاشی دباؤ اور عالمی پابندیوں کا سامنا ہے۔ اس نئے

[13]Muhammad Amir Rana, "Between China and the US," *Dawn*, February 9, 2025, https://www.dawn.com/news/1890769.
[14]Observatory of Economic Complexity, "Pakistan." *OEC - The Observatory of Economic Complexity*. Accessed June 5, 2025. https://oec.world/en/profile/country/pak.
[15]Shah, Anwar ul Mustafa, Ahmed Hussain Shah Bukhari, and Ghulam Mustafa Gaho. Regional Politics and Its Impact on National Stability: A Case Study of Pakistan's Strategic Challenges. *Advance Social Science Archives Journal* 3, no. 1 (2025): 1674–1686.

معاہدے سے پاکستان خطے میں چین کے علاقائی تجارتی منصوبوں کا مرکز رہنے کی توقع رکھتا ہے اور افغانستان کو وسطی ایشیا سے جوڑنے کا ایک اہم لنک سمجھا جا رہا ہے۔[16]

پاک-بھارت کشیدگی:

7 مئی 2025 کو بھارت نے پاکستان میں آپریشن سندور کے تحت پاکستان کے 9 مقامات پر میزائل حملے کیے۔ جواباً پاکستان نے آپریشن بنیان مرصوص کے ذریعے 26 بھارتی فوجی اہداف کو نشانہ بنایا اور دونوں ایٹمی ریاستوں کے درمیان پہلی بار ڈرون جنگ (drone warfare) کا آغاز ہوا۔ اس بحران کے دوران دونوں ممالک میں مجموعی طور پر 48 سے زائد شہری ہلاک ہوئے، جبکہ سفارتی تعلقات شدید متاثر ہوئے، جن میں سندھ طاس معاہدے (Indus Waters Treaty) کی معطلی اور سفیروں کی بے دخلی بھی شامل تھی۔ اس تصادم نے عالمی سطح پر جوہری تصادم (nuclear escalation) کے خدشات کو جنم دیا، جس کے نتیجے میں امریکہ اور دیگر عالمی طاقتوں نے فوری سفارتی مداخلت کی۔ بالآخر 10 مئی 2025 کو جنگ بندی (ceasefire) عمل میں آئی، تاہم بھارت کی جانب سے اس کے بعد بھی وقفے وقفے سے خلاف ورزیاں جاری رہیں۔[17]

پاکستان نے ایک جامع ڈوزیئر جاری کیا ہے جس میں آپریشن بنیان مرصوص کی کامیابی اور پہلگام حملے کو ایک جھوٹا جنگی عذر (false flag operation) قرار دیتے ہوئے بھارت کی سازش کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ اس ڈوزیئر میں سیٹلائٹ تصاویر، بین الاقوامی میڈیا رپورٹس اور شواہد شامل ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ بھارت نے بغیر کسی تحقیق کے صرف دس منٹ میں پاکستان کے خلاف ایف آئی آر (FIR) درج کر کے اس واقعے کی ذمہ داری عائد کر دی، جو بھارتی عزائم پر سوالات اٹھاتا ہے۔ پاکستان نے غیر جانبدار تیسری پارٹی کے تحت مشترکہ تحقیقات کی پیشکش کی تھی، جسے بھارت نے مسترد کر دیا۔ اس من گھڑت بیانیے کو جواز بنا کر بھارت نے پاکستان کے شہروں مریدکے، بہاولپور اور مظفرآباد، پر میزائل حملے کیے جن میں درجنوں بے گناہ شہری، خواتین اور بچے شہید ہوئے، جبکہ بھارت نے 100 سے زائد ڈرونز پاکستانی حدود میں بھیجے۔ جوابی کارروائی میں

پاکستان نے اقوام متحدہ کے چارٹر کے آرٹیکل 51 کے تحت ایک نپی تلی مگر بھرپور عسکری کارروائی کی، جس میں بھارت کے پانچ لڑاکا طیارے (SU-30، MiG-29، Rafale) مار گرائے گئے، 84 ڈرونز تباہ کیے گئے، اور آدھم پور اور بھج میں موجود S-400 سسٹمز کو ناکارہ بنایا گیا۔ پاکستان کے درست نشانے پر بیاس اور ناگروٹا میں موجود براہموس میزائل اسٹوریج بھی تباہ ہوئے، جبکہ کے جی ٹاپ اور نوشہرہ میں بھارتی بریگیڈز (10 اور 80 بریگیڈ) کو بھی نشانہ بنایا گیا۔ پاکستان نے بین الاقوامی قانون کی مکمل پاسداری کرتے ہوئے صرف بھارتی فوجی تنصیبات کو نشانہ بنایا جبکہ بھارت نے مسلسل پاکستانی فضائی حدود کی خلاف ورزی کی اور مذہبی مقامات کو نشانہ بنایا۔ ڈوزیئر میں بھارتی میڈیا پر جنگی جنون پھیلانے اور اختلافی آوازوں کو دبانے پر تنقید کی گئی ہے۔ پاکستان نے ایک بار پھر واضح کیا ہے کہ وہ ایک امن پسند ریاست ہے، لیکن کسی بھی جارحیت کا بھرپور اور منہ توڑ جواب دیا جائے گا۔[18]

---

[16]Rick Noack, Christian Shepherd, Haq Nawaz Khan, and Shaiq Hussain, "As Afghanistan and Pakistan Mend Ties, China Could Be the Real Winner," *The Washington Post*, June 5, 2025, https://www.washingtonpost.com/world/2025/06/05/afghanistan-pakistan-relations-china-taliban/.

[17]Clary, Christopher. "*Four Days in May: The India-Pakistan Crisis of 2025*." Stimson Center, May 28, 2025. https://www.stimson.org/2025/four-days-in-may-the-india-pakistan-crisis-of-2025/.

[18]Ahmad El-Assasy. "*Pakistan Is Guardian of Peace Yet Resolute to Defend Its Territorial Integrity and Sovereignty: Brutal & Measured Response to Indian Aggression.*" *See News*, May 18, 2025. https://see.news/pakistan-is-guardian-of-peace-yet-resolute-to-defend-its-territorial-integrity-and-sovereignty-brutal-measured-response-to-indian-aggression.

پاکستان کی خارجہ پالیسی عالمی تناظر میں:

عالمی نظام بہت تیزی سے تبدیل رہا ہے، جس میں نئے طاقتور ممالک، فوجی اتحاد اور بڑھتی ہوئی مقبولیت پسندی (populism) شامل ہیں، جو ایک متحرک اور حالات کے مطابق خارجہ پالیسی کا تقاضا کرتا ہے ملک سے کرتا ہے۔جب کہ کثیر الاقوامی تعاون (multilateralism) کمزور پڑ رہا ہے اور دنیا کو موسمیاتی تبدیلی، معاشی ناہمواری، عالمی وباؤں (pandemics) اور تنازعات جیسے پیچیدہ چیلنجز درپیش ہیں۔ ان حالات میں پاکستان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی خودمختاری، معاشی استحکام اور علاقائی امن کو اولین ترجیح دے اور اس مقصد کے لیے مؤثر سفارت کاری اور تزویراتی شراکت داریوں پر انحصار کرے۔ پاکستان ایک جغرافیائی اقتصادی (geo-economic) وژن پر کاربند ہے جو امن، ترقی اور علاقائی روابط کے فروغ پر مبنی ہے، خصوصاً (CPEC) جیسے منصوبوں کے ذریعے۔ پاکستان تمام بڑی طاقتوں، ہمسایہ ممالک اور مسلم دنیا کے ساتھ متوازن تعلقات رکھنا چاہتا ہے، اور مسئلہ کشمیر کا منصفانہ حل، افغانستان میں امن، سارک (SAARC) کی بحالی، امریکہ سے بہتر تعلقات اور افریقہ و آسیان (ASEAN) ممالک سے تعاون کو اہم سمجھتا ہے۔ غیر جانبداری (non-alignment) کی پالیسی کو اپناتے ہوئے پاکستان اقوام متحدہ (UN) کی اصلاحات اور ایک زیادہ مؤثر اور جمہوری عالمی نظام کی حمایت کرتا ہے اور اقتصادی سفارت کاری امن و سلامتی اور مشترکہ ترقی کے ذریعے اپنے قومی مفادات اور عالمی مقام کو مستحکم بنانے کا خواہاں ہے۔[19]

پاکستان اور امریکہ کے درمیان تعلقات ہمیشہ پیچیدہ رہے ہیں، جو سرد جنگ (Cold War) کے دوران بالخصوص 1979ء میں سوویت یونین کی افغانستان پر چڑھائی کے بعد قریبی دفاعی تعاون سے لے کر حالیہ دہائیوں میں کشیدہ اور غیر متوازن تعلقات کی صورت میں نظر آئے۔ باوجود چیلنجز کے، پاکستان نے امریکہ کے ساتھ تعلقات کو وسعت دینے کی کوشش کی ہے، تاہم برآمدات پر مبنی معیشت (export-driven economy) کی طرف منتقلی کی خواہش کو اس وقت دھچکا لگا جب صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے اپریل میں، پاکستانی مصنوعات پر 29 فیصد ٹیرف (tariff) عائد کر دیا۔[20]

وزیراعظم پاکستان نے 24 تا 27 مئی میں ترکیہ، ایران، آذربائیجان اور تاجکستان کا ایک اہم سفارتی دورہ کیا، جس کا مقصد پاکستان کی علاقائی شراکت داری کو مضبوط بنانا اور ملک کے پرامن اور سفارتی وژن کو اجاگر کرنا تھا۔ انقرہ میں ترکیہ نے پاکستان کے ساتھ اپنے تاریخی، روحانی اور سیاسی تعلقات کی تجدید کی اور موجودہ پاک-بھارت بحران کے دوران مکمل حمایت کا یقین دلایا، جبکہ دفاع، تجارت اور اسلاموفوبیا کے خلاف مل کر کام کرنے کے عزم کا اعادہ کیا۔ تہران میں ایران نے پاک-بھارت کشیدگی میں ثالثی کی پیشکش کی، جسے پاکستان نے سراہا، اور سرحدی تحفظ، توانائی تعاون، اور افغان امن عمل پر مل کر کام کرنے پر اتفاق ہوا۔ باکو میں آذربائیجان نے بھارت کے دباؤ کو مسترد کرتے ہوئے پاکستان کی کھل کر حمایت کی اور دونوں ممالک نے دفاع، توانائی اور رابطہ کاری میں تعاون کو وسعت دینے پر اتفاق کیا۔ ترکیہ، پاکستان اور آذربائیجان کے درمیان سہ فریقی اجلاس مسلم اتحاد کا مظہر بنا۔ دوشنبہ میں تاجکستان کے ساتھ گوادر کے ذریعے تجارت، پن بجلی اور تعلیمی تبادلوں پر بات ہوئی، جس سے وسطی ایشیا سے پاکستان کے روابط کو فروغ ملے گا۔ ان دوروں کے دوران دو طرفہ معاہدے تجارت، دفاع اور ثقافتی تبادلے پر طے پائے، جو طویل مدتی علاقائی انضمام کی بنیاد بنیں گے۔

وزیراعظم کے اس دورے کے دوران 2 ارب ڈالر سے زائد کی ممکنہ سرمایہ کاری اور تجارتی منصوبے زیر بحث آئے، جو پاکستان کی معیشت کے لیے ایک بڑی پیش رفت ہے۔ اس دورے نے پاکستان کو جنوب و وسطی ایشیا کے 30 کروڑ سے زائد

[19]Aleem, Sara. "The Evolving Global Landscape and Challenges for Foreign Policy of Pakistan." *Modern Diplomacy*, January 14, 2023. https://moderndiplomacy.eu/2023/01/14/the-evolving-global-landscape-and-challenges-for-foreign-policy-of-pakistan/.

[20]Shabbir, Saima. "Pakistan PM Pushes for Deeper Economic and Security Ties with Visiting US Delegation." *Arab News*, April 9, 2025. https://www.arabnews.com/node/2596384/pakistan.

صارفین سے منسلک کرنے والے تجارتی راستوں کی بنیاد رکھی۔ مجموعی طور پر، یہ دورہ پاکستان کی اس سفارتی حکمتِ عملی کا مظہر تھا جس میں جارحیت کے بجائے مکالمہ، دباؤ کے بجائے اصول اور خوف کے بجائے دوستی کو اپنایا گیا۔ مختصر مدت میں مضبوط سیاسی اعتماد اور طویل مدتی طور پر مسلم ممالک کے اتحاد پر مبنی ایک علاقائی بلاک کی راہ ہموار ہوئی، جو امن، ترقی اور مشترکہ مفادات پر مبنی ہوگا۔[21]

پاکستان کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں انسداد دہشت گردی کمیٹی کا نائب چیئرمین اور طالبان پر پابندیوں کی نگرانی کرنے والی کمیٹی (Sanctions Committee1988) کا چیئرمین مقرر کیا گیا ہے، پاکستان کی خارجہ پالیسی کی ایک نمایاں سفارتی کامیابی کے طور پر دیکھا جا رہا ہے۔ یہ دونوں عہدے اقوام متحدہ جیسے اہم عالمی فورم پر پاکستان کی بڑھتی ہوئی ساکھ، سفارتی اثر ورسوخ اور انسداد دہشت گردی کے میدان میں اس کے کردار کو تسلیم کرنے کا مظہر ہیں۔ ان کمیٹیوں کی قیادت نہ صرف پاکستان کے بین الاقوامی تشخص کو مضبوط کرتی ہے بلکہ اس سے ملک کو علاقائی سلامتی، دہشت گردی کے خلاف اقدامات اور افغانستان کی صورت حال میں عالمی پالیسی سازی کا براہ راست حصہ بننے کا موقع بھی ملتا ہے۔[22] وزیر اعظم پاکستان نے کہا کہ:

"یہ پاکستان کے لیے بڑے فخر کی بات ہے کہ اسے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی قرارداد 1988 (2011) کے تحت پابندیوں کی کمیٹی کا چیئرمین، قرارداد 1373 (2001) کے تحت انسداد دہشت گردی کمیٹی کا نائب چیئرمین، اور دستاویزات و پابندیوں سے متعلق غیر رسمی ورکنگ گروپ (IWG) کا شریک چیئرمین مقرر کیا گیا ہے۔ یہ اہم تقرریاں بین الاقوامی برادری کے پاکستان پر اعتماد اور انسداد دہشت گردی کے حوالے سے ہماری صلاحیتوں پر یقین کا ثبوت ہیں، اور یہ اس عالمی خطرے کے خاتمے کے لیے ہماری مضبوط اور غیر متزلزل وابستگی کو تسلیم کرنے کا اظہار بھی ہیں۔ دہشت گردی کا شکار ہونے والے بڑے ممالک میں شامل پاکستان نے 90,000 سے زائد جانوں کا نذرانہ دیا اور 150 ارب ڈالر سے زائد کا معاشی نقصان برداشت کیا، اور اس چیلنج کے خلاف ہماری قربانیاں بے مثال رہی ہیں"۔[23]

اختتامیہ:

پاکستان کی خارجہ پالیسی قیام پاکستان سے لے کر آج تک ارتقاء کے مراحل سے گزرتی رہی ہے، جس کی بنیاد قائداعظم محمد علی جناح کے اصول، خود مختاری، پرامن بقائے باہمی، اقوام متحدہ کے چارٹر کی پاسداری اور مظلوم اقوام سے یکجہتی پر استوار ہے۔ موجودہ عالمی نظام میں جہاں کثیر قطبی طاقتیں، جیوپولیٹیکل تناؤ اور موسمیاتی بحران شدت اختیار کر رہے ہیں۔ پاکستان کیلئے ضروری ہے کہ وہ تزویراتی خود مختاری، اقتصادی سفارت کاری اور متوازن علاقائی روابط کو اپنی پالیسی کا محور بنائے۔ چین، امریکہ، مسلم دنیا اور وسطی ایشیا سے شراکت داری کے ساتھ بھارت سے کشیدگی پر ذمہ دارانہ حل اور افغانستان میں استحکام کا کردار پاکستان کی حقیقت پسند اور فعال سفارت کاری کا مظہر ہے۔ حالیہ پاک-بھارت کشیدگی اور اقوام متحدہ میں پاکستان کی انسداد دہشت گردی کمیٹی میں تقرری اس امر کا ثبوت ہے کہ عالمی برادری پاکستان کو ایک ذمہ دار اور پُرامن ریاست کے طور پر تسلیم کر رہی ہے۔ بھارت مسلسل پاکستان کے خلاف پروپیگنڈا کرتا رہا ہے کہ پاکستان دہشتگردی کو فروغ دیتا ہے، لیکن اس فیصلے سے بھارت کا پروپیگنڈا ناکام ہوا ہے۔ یہ ثابت ہوا ہے کہ پاکستان ایک پُرامن ملک ہے اور خطے میں امن چاہتا ہے۔ ان حالات میں ایک مربوط، حقیقت پسند اور جمہوری خارجہ پالیسی ہی پاکستان کو داخلی استحکام اور عالمی وقار کی طرف گامزن کر سکتی ہے۔

☆☆☆

[21]Zamir Ahmed Awan. "*Shahbaz Sharif's Strategic Diplomatic Tour.*" *Modern Diplomacy*, May 31, 2025. https://moderndiplomacy.eu/2025/05/31/shahbaz-sharifs-strategic-diplomatic-tour/.

[22]BBC Urdu. "*Pakistan Gets Appointed Chair of UN Security Council Committees: Reaction in India – BBC URDU.*" YouTube video, 3:42. Reported by Khadija Arif, June 5, 2025. https://www.youtube.com/watch?v=djADWl7wVWk.

[23]Sharif, Shehbaz. "It is a matter of great pride that Pakistan has been appointed as Chair of UNSC Sanctions Committee under Res.1988(2011)…" *X (formerly Twitter)*, June 5, 2025. https://x.com/CMShehbaz/status/1930582407347900786.

ٹیکنالوجی اور انوویشن
پاکستان کا ڈیجیٹل مستقبل

ندیم اقبال | کورائیٹر: ڈاکٹر سیال

ٹیکنالوجی سے مراد وہ تمام چیزیں، طریقے یا اوزار ہیں جو انسان کی زندگی کو آسان بناتے ہیں، اس کا وقت بچاتے ہیں اور اس کے کام کو بہتر بناتے ہیں۔ آج کے جدید دور میں ہم انگلی کی جنبش، وائس نوٹ، سوچ کی استطاعت اور آٹو ریپلائی پروگرامز (Auto Reply Programs) کے ساتھ دنیا سے جڑے ہوئے ہیں۔ یہ سب ٹیکنالوجی ہی کی شکلیں ہیں۔

ایجاد (انوویشن) کیا ہے؟

انوویشن دراصل نئی سوچ، نئے طریقے اور نئی راہیں بنانے کا نام ہے۔ یعنی ایک مسئلے کو حل کرنے کے لیے پرانے طریقے چھوڑ کر کچھ نیا اور بہتر طریقہ استعمال کرنا۔ جیسے پہلے لوگ خط لکھ کر ہفتوں میں خبر دیتے تھے، پھر ای میل، ایس ایم ایس اور اب ویڈیو کال پر لمحوں میں بات کر لیتے ہیں۔ یہ انوویشن کی ایک جیتی جاگتی مثال ہے۔

آج پاکستان میں بھی ٹیکنالوجی اور انوویشن کا چرچا ہر طرف ہے۔ دیہات کی سطح پر کسان اپنے موبائل پر موسم کی خبریں دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے کہ فصل کب کاشت کرنی ہے۔ دکان دار حساب کتاب کے لیے ایپ استعمال کرتے ہیں۔ طالب علم، شہر یا گاؤں سے یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرتا ہے۔ مریض دنیا کے ماہر ڈاکٹر سے مشورہ لے سکتا ہے یہ سب ٹیکنالوجی اور انوویشن کی بدولت ممکن ہو رہا ہے۔ یہ وہ طاقت ہے جس کی بدولت بچوں کو اعلیٰ تعلیم، مریضوں کو بہتر علاج، کسان کو اچھی پیداوار، اور کاروباری حضرات کو ترقی کی نئی راہیں دے سکتی ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں یہ بتانے کی کوشش کی جائے گی کہ ٹیکنالوجی اور انوویشن نے کیسے پاکستان کا مستقبل بدلنے میں کوشش کی ہے اور بطور فرد ہم اس میں کیا کردار ادا کر سکتے ہیں۔

پاکستان میں ڈیجیٹل ترقی کا سفر:

پاکستان کا ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کا سفر 2000ء کی دہائی کے آغاز میں نمایاں ہونا شروع ہوا، جب حکومت نے پاکستان ٹیلی کام اتھارٹی (PTA) اور نیشنل آئی ٹی پالیسی 2000 کے تحت انٹرنیٹ ایکسیس (Internet Access) کو فروغ دینا شروع کیا۔ 2004ء میں براڈ بینڈ پالیسی متعارف کروائی گئی، جس نے شہروں میں انٹرنیٹ کی فراہمی میں بنیادی کردار ادا کیا۔[1] 2007ء میں پاکستان نے 3G اور 4G لائسنس کی تیاری شروع کی، جو بعد میں 2014ء میں مکمل ہوئی۔ اسی دوران نیشنل ڈیٹا سینٹر (NDC) اور ای گورننس کے ابتدائی منصوبے بھی متعارف ہوئے، جن میں نادرا کا ڈیجیٹل شناختی کارڈ سسٹم (Digital CNIC) اور ایف بی آر (FBR) کی ای فائلنگ (E-Filing) سہولیات شامل تھیں۔ اسی عرصے میں فنانس شعبے میں موبائل بینکنگ نے قدم رکھا، جو فن ٹیک انوویشن کا بڑا سنگ میل تھا۔[2]

ڈیجیٹل پاکستان وژن (Digital Pakistan Vision) جو دسمبر 2019ء میں باضابطہ طور پر متعارف کروایا گیا، جس کا مقصد ملک کو ٹیکنالوجی کے میدان میں ترقی یافتہ ممالک کی صف میں لانا ہے۔ اس وژن (Vision) کے تحت انٹرنیٹ کی دستیابی، اسمارٹ سٹی پروجیکٹس اور ڈیجیٹل فری لانسنگ، بڑے شہروں میں سمارٹ سٹی پائلٹ پراجیکٹس، ڈیجیٹل ادائیگی کیلئے راست (RAAST) سسٹم اور ای-پاسپورٹ (E-Passport) جیسے حوصلہ افزا اقدامات شامل کیے گئے۔

Gig Economy Index 2021 کے مطابق، پاکستان دنیا کا چوتھا سب سے بڑا فری لانسنگ ملک بن چکا ہے۔[3] اس کامیابی کا انحصار نوجوانوں کا ڈیجیٹل ٹولز کو بروئے کار لانے کی صلاحیت سے ہوا۔ 4G سروسز کی وجہ سے ڈیجیٹل فنانشل سروسز نے بینکنگ کے روایتی طریقوں کو بدل دیا اور اب پاکستان کے دور دراز علاقوں میں بھی لوگ باآسانی رقم بھیج اور وصول کر سکتے ہیں۔

پاکستان کے ڈیجیٹل سفر میں دھوکہ دہی ایک بڑی رکاوٹ:

پاکستان کی ڈیجیٹل ترقی جہاں بے شمار مواقع لائی ہے، وہیں ڈیجیٹل دھوکہ دہی (Online Fraud) ایک سنگین اور بڑھتا ہوا مسئلہ بن چکا ہے۔ FIA Cyber Crime Wing کے اعداد و شمار

[1] https://www.pta.gov.pk/category/policies-1608540600-2023-05-30
[2] https://www.sbp.org.pk/1frame/index2.asp
[3] https://www.payoneer.com/resources/business/top-10-freelancing-countries/

کے مطابق 2020ء سے 2024ء کے درمیان 639000 سے زائد سائبر کرائم شکایات درج ہوئیں۔ بعض ماہرین کے مطابق ان افراد کی تعداد بہت زیادہ ہے جن میں سے بیشتر نے رپورٹ درج ہی نہیں کروائی۔ اس ڈیجیٹل فراڈ کی عام مثالوں میں فشنگ لنکس، جعلی ای شاپس اور موبائل بینکنگ کے جعلی نمائندہ فون کالز شامل ہیں اور متعدد آن لائن ادائیگیوں کے بعد نہ رقم واپس نہ ہی سامان۔

دھوکہ دہی کی جدید قسم آج کل گیم، منافع اور ٹریڈنگ ایپس کے ذریعے کم دنوں میں امیر اور زیادہ منافع حاصل کرنے کی لالچ میں لوگ اپنی جمع کی ہوئی رقم یا پھر کسی دوسرے شخص سے ادھار اُٹھا کر اس گیم / ایپس / یا ٹریڈنگ میں لگا دیتے ہیں جس سے منافع کم جبکہ نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ اس وجہ سے راتوں رات امیر ہونے کے خواب لیے بہت سے لوگوں کے پاس سوائے پچھتاوے کے کچھ رہ نہیں جاتا۔ مالی فراڈ کے شکار افراد اکثر اس بات سے انجان ہوتے ہیں۔ بیشتر ایسے کیسز سامنے آئے ہیں جنہوں نے انجانے میں میسج، کال یا ای میل میں موجود جعلی لنکس پر کلک کیا اور اُس میں موجود ہدایات پر عمل کیا۔

درج ذیل چند احتیاطی تدابیر استعمال کرنے سے ڈیجیٹل دھوکہ دہی سے بچ سکتے ہیں۔

- کبھی بھی اپنے بینک سے متعلقہ ذاتی معلومات کسی بھی کال پر بلا تحقیق نہ دیں۔
- ہمیشہ مضبوط پاسورڈز اور دوہری تصدیق (FA2) استعمال کریں۔
- صرف سرکاری سائٹس یا سرٹیفائیڈ ایپس سے ٹرانزیکشن کریں۔
- مشکوک آگاہی پیغامات کو فوری رپورٹ اور بلاک کریں۔
- بغیر محنت راتوں رات امیر بنانے کا جھانسہ دینے والی ایپلیکیشنز اور ویب سائٹس سے احتیاط برتیں۔
- غیر محفوظ، غیر معیاری اور PTA سے نہ تصدیق شدہ موبائل فونز سے بچیں۔

(**نوٹ:** غیر معیاری اور غیر محفوظ موبائل فونز لوگوں کو بظاہر جدید فیچر دے کر عوام کی قوت خرید کا مرکز تو بن جاتے ہیں لیکن یہی موبائل فونز صارف کی مہنگی معلومات کو کہیں بھی استعمال کرنے کی اجازت طلب کرتے ہیں اور بہت سے لوگ ان معلومات کو استعمال کرنے کی اجازت بھی دیتے ہیں جو مستقبل میں صارف کی پرائیویٹ معلومات تک رسائی حاصل کر کے پاسورڈز سمیت دیگر معلومات کی چوری میں ممکنہ کردار ادا کر سکتے ہیں)۔

تعلیم میں ٹیکنالوجی کا کردار:

پاکستان میں تعلیم کا شعبہ ہمیشہ سے ہی چیلنجز کا شکار رہا لیکن ٹیکنالوجی نے اس میدان میں کئی نئی راہیں کھولی ہیں۔ سب سے اہم تبدیلی ای۔لرننگ، ورچوئل کلاسز اور آن لائن امتحانات کی شکل میں سامنے آئی ہے۔ جہاں ہزاروں طلبہ کو گھر بیٹھے اعلیٰ تعلیم کے مواقع میسر آئے۔ انٹرنیٹ کی بدولت آن لائن لیکچرز، ویڈیوز اور ای بکس تک رسائی ممکن ہوئی۔

آج تحقیق اور علم کی دنیا بھی ڈیجیٹل ہو چکی ہے۔ ڈیجیٹل لائبریریاں اور آن لائن ریسرچ کے مواقع پاکستان کے طلبہ اور اساتذہ کے لیے علم کا خزانہ ہیں۔ Pakistan Research Repository، HEC Digital Library، اور National Digital Library جیسے منصوبوں نے لاکھوں ریسرچ پیپرز، جرنلز اور ای بکس تک مفت رسائی مہیا کی ہے۔ ان اقدامات نے نہ صرف تحقیق کو آسان کیا بلکہ علمی معیار کو بھی بہتر بنایا۔ عالمی سطح پر، پاکستان کے طلبہ Google Scholar ، JSTOR اور دیگر بین الاقوامی پلیٹ فارمز تک رسائی حاصل کر کے اپنی تحقیقی استعداد بڑھا رہے ہیں۔

جہاں ٹیکنالوجی کی بدولت طلباء کو پڑھائی جاری رکھنے کا موقع فراہم کیا گیا وہیں طلباء کو مشکلات کا سامنا بھی رہا۔ دور دراز علاقوں میں انٹرنیٹ کی رفتار کا مسئلہ اور بعض طلباء لیپ ٹاپ جیسی سہولت سے محروم ہونے کی وجہ سے تعلیم جاری نہ رکھ سکے جس سے ان کا تعلیمی مستقبل متاثر ہوا۔

روبوٹکس فیلڈ میں پیش رفت:

پاکستان میں روبوٹکس کا شعبہ قومی سطح پر شناخت حاصل کر رہا ہے۔ National Center of Robotics and Automation (NCRA) کے تحت بننے والے 11 سب سینٹرز، جیسے NCRA-NUST، NCRA-GIKI، اور NCRA-UET Peshawar، خودکار گاڑیوں، ریسکیو روبوٹس، انڈسٹریل روبوٹکس اور میڈیکل روبوٹکس پر تحقیق کر رہے ہیں۔[4] UET Lahore کے روبوٹکس اور مشین وژن لیب نے 2022ء میں پاکستان کا پہلا ریئل ٹائم

[4]https://www.ncra.org.pk/

روبوٹک آرم پروٹوٹائپ کامیابی سے بنایا جو چھوٹے پیمانے کی انڈسٹری میں خودکار پیکنگ اور اسمبلی میں استعمال کے قابل ہے۔

عالمی میدان میں، پاکستان کے طلباء اور نوجوان انجینئرز نے کئی بین الاقوامی مقابلوں میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ NUST's Team NUSTAG نے RoboCup Rescue League (2019, Sydney) میں شرکت کی جسے اپنی کیٹیگری میں بہترین انوویٹو روبوٹ ڈیزائن کے لیے سراہا گیا۔ GIKI Robotics Team نے 2018ء میں ترکی میں International Robotic Competition میں خودکار فائر فائٹنگ روبوٹ کے لیے انوویشن ایوارڈ جیتا، جبکہ LUMS RoboSociety کی ٹیم نے 2021ء میں Virtual RoboWars میں نمایاں پوزیشن حاصل کی۔

پاکستانی اسٹارٹ اپس، روبوٹکس اور IoT کے اشتراک سے اسمارٹ روبوٹکس سلوشنز (جیسے ذہین ڈرونز (Intelligent Robot) اور پانی صاف کرنے والے روبوٹس (Water Purification Robots) پر کام کر رہے ہیں۔

انٹرنیٹ آف تھنگز (Internet of Things) کا کردار:

پاکستان میں انٹرنیٹ آف تھنگز (IoT) ایک ایسا شعبہ بن رہا ہے جو ہماری روزمرہ زندگی، معیشت، صنعت اور شہری نظام کو جدید طرز پر استوار کر رہا ہے۔ IoT کا مطلب ہے مختلف آلات، مشینیں، سینسرز اور سسٹمز کا انٹرنیٹ کے ذریعے آپس میں جڑ جانا ہے تاکہ وہ خودکار طریقے سے ڈیٹا شیئر کریں اور ذہین فیصلے کریں۔ پاکستان میں IoT کا کردار اب صرف زراعت تک محدود نہیں رہا؛ موبائل فونز، خودکار گاڑیاں، اسمارٹ ہوم اپلائنسز اور انڈسٹری 4.0 سلوشنز میں بھی IoT کا اہم ستون بن چکا ہے۔

مثال کے طور پر چند نجی ادارے اپنی خودکار گاڑیوں میں IoT پر مبنی telematics systems متعارف کروا چکے ہیں، جو گاڑی کی پرفارمنس، لوکیشن اور سروسنگ کی ضرورت کا ڈیٹا ڈرائیور اور کمپنی کو براہ راست فراہم کرتے ہیں۔ گھریلو سطح پر PTCL Smart Solutions، Nayatel Home Automation اور دیگر کمپنیز اسمارٹ اوون، اسمارٹ فریج، ریموٹ کنٹرولڈ لائٹس اور AC جیسی سہولیات فراہم کر رہی ہیں، جو صارفین کے موبائل فون سے جڑی ہوتی ہیں اور توانائی کی بچت اور آرام دہ طرز زندگی کو ممکن بناتی ہیں۔[6]

اس کے بڑے شہروں میں اسمارٹ اسٹریٹ لائٹس، ٹریفک مینجمنٹ اور کچرا کلیکشن سسٹمز پر IoT ٹیکنالوجی آزمائی جا رہی ہے۔

میڈیکل اور صحت کا شعبہ:

پاکستان میں صحت کا شعبہ بنیادی سہولتوں سے محروم اور وسائل کی قلت کا شکار رہا ہے، مگر ٹیکنالوجی اور انوویشن نے اس میدان میں امید کی نئی کرن پیدا کی ہے۔ سب سے بڑی پیش رفت ٹیلی میڈیسن (Tele-Medicine) کی صورت میں سامنے آئی۔ پاکستان کے بہت سے اسپتالوں میں جدید مشینری اور AI پر مبنی تشخیص کی اہمیت میں اضافہ ہوا ہے۔ جیسے شوکت خانم کینسر ہسپتال اور آغا خان یونیورسٹی ہسپتال۔ اب AI الگورودمز اور جدید مشینوں کا استعمال کر رہے ہیں تاکہ کینسر، دل اور دیگر پیچیدہ بیماریوں کی بروقت اور درست تشخیص ممکن بنائی جا سکے۔

پاکستان میں کینسر کی تشخیص عموماً بایوپسی، بلڈ ٹیسٹ، الٹراساؤنڈ، سی ٹی اسکین، ایم آر آئی اور ماموگرافی جیسے روایتی طریقوں سے کی جاتی ہے۔ بڑے ادارے جیسے شوکت خانم کینسر ہسپتال، آغا خان یونیورسٹی ہسپتال اور پاکستان انسٹیٹیوٹ آف میڈیکل سائنسز (PIMS) ان ٹیسٹس کے ساتھ ساتھ جدید ڈیجیٹل امیجنگ پر بھی انحصار کرتے ہیں۔ یہی وہ خلا ہے جہاں آرٹیفیشل انٹیلیجنس (AI) اور امیج پروسیسنگ نے کینسر کی تشخیص میں انقلاب برپا کیا۔ جدید AI الگورودمز، خاص طور پر ڈیپ لرننگ ماڈلز جیسے CNNs (Convolutional Neural Networks)، ماموگرافی، سی ٹی اسکین اور بایوپسی امیجز کا تجزیہ کرتے ہیں۔ یہ ماڈلز لاکھوں امیجز پر تربیت حاصل کر کے پیچیدہ patterns اور ان چھوٹے نشانات کو پہچان لیتے ہیں جو انسانی آنکھ کی نظر سے بچ سکتے ہیں۔[7] مثلاً، Google Health AI ماڈل نے بریسٹ کینسر کی اسکریننگ میں 5.7 فیصد false positives اور 9.4 فیصد false negatives کم کرنے کی صلاحیت دکھائی۔ False Positives (جھوٹا مثبت نتیجہ) سے مراد ہے کہ ٹیسٹ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ مریض کو کینسر ہے لیکن حقیقت میں اس مریض کو کینسر نہیں ہے۔ False Negatives (جھوٹا منفی نتیجہ) سے مراد ہے کہ ٹیسٹ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ مریض کو کینسر نہیں ہے حقیقت میں مریض کو کینسر ہے۔ اس قسم کے مرض کی تشخیص کرنے کیلئے AI اور

[5] https://suzukipakistan.com/
[6] https://ptcl.com.pk/Home/PageDetail?ItemId=642&linkId=5426
[7] https://www.nature.com/articles/s41586-019-1799-6

امیج پروسیسنگ کو استعمال کیا جارہا ہے تاکہ بروقت علاج سے زندگی کو محفوظ کیا جاسکے۔

افواج اور دفاعی ٹیکنالوجی:

پاکستان کی سلامتی اور خودمختاری کی حفاظت کیلئے جدید ٹیکنالوجی کا کردار اب ناقابل تردید ہے۔ خاص طور پر جدید اسلحہ سازی، ڈرونز اور سائبر سیکیورٹی میں ہونے والی پیش رفت نے ملکی دفاع کو روایتی جنگی صلاحیتوں سے کہیں آگے پہنچا دیا ہے۔ پاکستان ایروناٹیکل کمپلیکس اور NESCOM کے اشتراک سے بنائے گئے براق ڈرون اور شاہپر ڈرون نہ صرف نگرانی بلکہ ہدف کو نشانہ بنانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ 2021ء میں وزارت دفاع نے بتایا کہ سالانہ درجنوں سائبر حملے ناکام بنائے گئے، جن میں حساس ڈیٹا کی چوری کی کوششیں شامل تھیں۔

دفاع میں جدید دور کی جنگیں اب صرف اسلحے پر نہیں بلکہ آرٹیفیشل انٹیلی جنس میں (AI) اور ڈیٹا اینالسز (Data Analysis) سے بھی لڑی جا رہی ہیں۔ پاکستان کی خفیہ ایجنسیاں اور مسلح افواج مصنوعی ذہانت کے استعمال سے دشمن کی نقل و حرکت، مواصلات اور سائبر سرگرمیوں کا تجزیہ کرتی ہیں۔ PAF's Center for Artificial Intelligence and Computing (CENTAIC)، جو 2020 میں قائم ہوا اور National Center of Artificial Intelligence (NCAI)، جو 2021ء میں قائم ہوئی جس کا مقصد ڈیٹا اینالٹکس، امیج پروسیسنگ اور پیشین گوئی کے ماڈلز تیار کرنا ہے تاکہ بروقت اور درست فیصلہ سازی ممکن بنائی جاسکے۔

مئی 2025ء میں پاک-بھارت کشیدگی کے دوران پاکستان کی مسلح افواج نے آپریشن بنیان مرصوص کے نام سے ایک جامع اور کثیر الجہتی دفاعی کارروائی کا آغاز کر کے "مہابھارت" کا خواب دیکھتی مودی سرکار کو ان کی فضائیہ سمیت دھول چٹا کر سندور مٹا دیا۔ BBC، Dawn News اور Al- Jazeera کی رپورٹس کے مطابق، یہ آپریشن بھارت کی جانب سے 7 مئی کو کیے گئے آپریشن سندور کے فضائی حملوں کے جواب میں کیا گیا، جس میں بھارت نے پاکستان کے نور خان، مرید اور شورکوٹ کے فضائی اڈے کو نشانہ بنایا۔[8] 10 مئی کو شروع ہونے والے آپریشن بنیان مرصوص میں پاکستان نے 26 بھارتی فوجی تنصیبات کو نشانہ بنایا۔

آپریشن بنیان مرصوص کے دوران پاکستان نے اپنے جدید Al-Fath بیلسٹک میزائل کو کلیدی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا، جس نے اس کارروائی کی کامیابی میں فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ ISPR کے مطابق، Al-Fath میزائل پاکستان کی مقامی دفاعی صنعت کا تیار کردہ شارٹ رینج بیلسٹک میزائل (SRBM) ہے، جس کی رینج تقریباً 300 سے 500 کلومیٹر بتائی جاتی ہے اور یہ ہدف کو ہائی پریسیژن گائیڈنس (High-precision guidance) سسٹمز کی مدد سے نشانہ بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔[9] یہ میزائل اپنے جدید نیویگیشن اور انرٹیل (inertial) گائیڈنس سسٹم کی بدولت انتہائی درستگی سے ہدف کا نشانہ بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ میزائل میں "شوٹ اینڈ سکوٹ" (یعنی فائر کرنے کے فوراً بعد یہ اپنی جگہ بدل سکتا ہے) اور دوسری خصوصیت 'مینوورایبل ان ٹرمینل سٹیج' (جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی بیلسٹک میزائل سسٹم اس کو ہٹ نہیں کر سکتا)۔ مختلف رپورٹس کے مطابق، اس آپریشن کے بعد دونوں ممالک میں عالمی دباؤ پر سیز فائر عمل میں آیا اور 16 مئی کو پاکستان میں یوم تشکر منایا گیا۔

سیاست اور ایڈمنسٹریشن میں ٹیکنالوجی:

ٹیکنالوجی نے پاکستان میں سیاست اور حکمرانی کے ڈھانچے میں بہت انقلابی تبدیلیاں پیدا کی ہیں اور مزید جدت کے بہت سے مواقع موجود ہیں۔ سب سے نمایاں اقدام نادرا کے ڈیجیٹل سسٹمز ہیں، جو انتخابی عمل اور ووٹر رجسٹریشن کو شفاف بنانے میں مزید مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں۔ Election Commission of Pakistan (ECP) اور نادرا کی شراکت سے تیار کردہ الیکٹرانک ووٹر لسٹیں اور بائیو میٹرک سسٹمز نے جعلی ووٹوں اور دہری رجسٹریشن کی روک تھام میں نمایاں کردار ادا کیا۔

[8]https://www.aljazeera.com/news/2025/5/10/pakistan-launches-operation-bunyan-marsoos-what-we-know-so-far
[9]https://www.dawnnews.tv/news/1259194

پاکستان سیٹیزن پورٹل (PCP)، جو 2018ء میں متعارف کروایا گیا، اب تک 4.5 ملین سے زائد شہری شکایات وصول اور حل کر چکا ہے۔[10] اس ایپ نے حکمرانی کو عوام کے دروازے تک پہنچا دیا اور حکومتی اداروں کی کارکردگی پر عوام کی براہِ راست نگرانی کا ذریعہ بن گیا۔ مزید یہ کہ پنجاب اور خیبر پختونخوا میں ای۔اسٹامپ، ای۔چالان اور لینڈ ریکارڈ مینجمنٹ سسٹمز نے زمینوں کی خرید و فروخت، ٹیکس کی ادائیگی اور عدالتوں میں شواہد کو شفاف اور آسان بنایا۔

سماجی اور ثقافتی زندگی میں ٹیکنالوجی کا کردار:

ٹیکنالوجی نے پاکستان کی ثقافت اور سماجی زندگی پر بھی گہرا اثر ڈالا ہے اور سب سے نمایاں کردار سوشل میڈیا کے کلچر نے ادا کیا ہے۔ فیس بک، ٹوئٹر (X)، انسٹاگرام اور ٹک ٹاک جیسے پلیٹ فارمز نے عوام کو ایک نئی طاقت دی ہے جہاں وہ اپنی رائے کا اظہار کر سکتے ہیں، اپنی ثقافتی شناخت کو اجاگر کر سکتے ہیں Digital Rights Foundation کی رپورٹ (2022) کے مطابق پاکستان میں تقریباً 71 ملین لوگ سوشل میڈیا استعمال کرتے ہیں، جن میں زیادہ تر تعداد نوجوانوں کی ہے۔

سوشل میڈیا نے جہاں ثقافت کو فروغ دینے میں مثبت کردار ادا کیا، وہیں موجودہ دور میں اس کے منفی اثرات بھی کسی سے ڈھکے چھپے نہیں۔ جیسے ڈیپ فیک (Deep Fake)، وائس مورفنگ (Voice Morphing) اور AI ٹولز میں Reality کی دخل اندازی نے اصل بات کی حقیقت اور جانچ کرنے میں مشکلات پیدا کی ہیں۔ گھریلو تصاویر، ویڈیوز اور پرسنل ڈیٹا جو کہ نوجوان (مرد اور عورت) سوشل میڈیا پر فخر سمجھ کر شئیر کرتے ہیں وہی تصاویر اور ویڈیوز AI ٹولز کے استعمال کے بعد وہ ان کی جان کا وبال بن جاتی ہیں۔ لہٰذا سوشل میڈیا کا محتاط استعمال ہمیں غلط معلومات کے پھیلاؤ، سائبر بلنگ اور معاشرتی تقسیم کی شدت میں اضافہ سے دور رکھ سکتا ہے۔

ٹیکنالوجی نے آن لائن شاپنگ، ڈیجیٹل انٹرٹینمنٹ اور نئی ثقافتی جہتوں کو بھی جنم دیا ہے۔ دراز، بائیکیہ اور فوڈ پانڈا جیسی ایپس نے خریداری اور روزمرہ کی سہولتوں کا انداز بدل دیا۔ جس سے پاکستان میں آن لائن شاپنگ میں 35 فیصد اضافہ ریکارڈ کیا گیا۔

سائنس اور تحقیق میں ٹیکنالوجی کا کردار:

پاکستان میں سائنسی تحقیق کی ترقی میں ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کا بہت اہم کردار ہے۔ مقامی سطح پر سائنسی ریسرچ میں ڈیجیٹل ٹولز نے محققین کو عالمی معیار کے ڈیٹا بیس، سافٹ ویئر اور کلاؤڈ کمپیوٹنگ تک رسائی دی ہے۔ یونیورسٹیوں میں سٹوڈنٹس کو ان کی ضرورت اور فیلڈ کے مطابق سیمولیشن سافٹ ویئرز، پروگرامنگ ٹولز اور ڈیجیٹل سافٹ ویئر مہیا کرنے سے نمایاں بہتری آئی ہے، خاص طور پر کمپیوٹر، انجینئرنگ اور میڈیکل سائنسز میں۔

پاکستان میں بائیو ٹیکنالوجی میں National Institute for Biotechnology and Genetic Engineering (NIBGE) نے فصلوں کی جینیاتی بہتری اور ویکسینز کی تیاری میں پیش رفت کی ہے، خاص طور پر مقامی ٹیسٹنگ کٹس اور ریسرچ کا کردار قابلِ ذکر رہا۔ یہ تمام پیش رفت اس بات کا ثبوت ہیں کہ پاکستان سائنسی میدان میں ڈیجیٹل دور کی دوڑ میں شامل ہو چکا ہے، تاہم اسے پائیدار بنانے کے لیے فنڈنگ، پالیسی سپورٹ اور عالمی اشتراک کی مزید ضرورت ہے۔

چیلنجز اور رکاوٹیں:

پاکستان میں ڈیجیٹل ترقی کی رفتار تو بڑھی ہے، مگر اس راہ میں کئی چیلنجز اور رکاوٹیں ایسی ہیں جو اس سفر کو سب کے لیے یکساں اور پائیدار بنانے کی راہ میں حائل ہیں۔ سب سے پہلا چیلنج ڈیجیٹل ڈیوائیڈ یعنی شہری اور دیہی علاقوں کے درمیان ٹیکنالوجی تک مساوی عدم دستیابی ہے جس سے پڑھے لکھے نوجوان کا زیادہ فقدان بڑھا۔ گزشتہ دو دہائیوں میں میٹرک تک تعلیم مفت ہونے کی وجہ سے نوجوان میٹرک تک کو تعلیم حاصل کر چکے لیکن انٹرمیڈیٹ اور بیچلرز ان کی پہنچ سے باہر ہے۔ اگر بیچلرز تک تعلیم سٹوڈنٹس کی دسترس میں رہے تو یہ نوجوان ملک و ملت کیلئے بہت سے اقدام کر سکتے ہیں۔

دوسرا بڑا چیلنج نوجوانوں کی ہنر تک رسائی ہے جو نوجوان پڑھ لیتا ہے وہ ہنر سیکھنے میں اپنی عار محسوس کرتا ہے اداروں میں پڑھائی کے ساتھ ساتھ نوجوان کی ذہنی وسعت کے مطابق اُسے ہنر بھی

[10]https://pcp.org.pk/

سکھایا جائے تاکہ جب وہ ڈگری حاصل کرے تو ڈگری کے ساتھ ساتھ وہ ایک اچھا ہنر مند بھی ہو۔ ہنر مند نوجوان اگر واقع میں ایک اچھا کام کرتا ہے جو کہ ملک و قوم کیلئے بہتر ثابت ہو سکتا ہے تو اُس کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ پاکستان میں بد قسمتی سے بہت سے نوجوان اپنے ٹیلنٹ کا استعمال کرتے ہوئے بہت سے چیزیں بنانے میں کامیاب ہوئے اور انہیں سوشل میڈیا تک تو رسائی حاصل ہوئی لیکن گورنمنٹ یا اداروں کی جانب سے کوئی موقع فراہم نہیں کیا گیا جس کی وجہ سے اس نوجوان کا ٹیلنٹ، وقت اور سرمایہ سب ضائع ہوا۔

تیسرا بڑا چیلنج سائبر کرائمز اور پرائیویسی کے خطرات ہیں۔ پاکستان میں انٹرنیٹ کے پھیلاؤ کے ساتھ سائبر جرائم میں بھی اضافہ ہوا۔ FIA Cyber Crime Report (2022) کے مطابق پاکستان میں سالانہ 100000 سے زائد سائبر کرائم شکایات درج ہوتی ہیں، جن میں مالی دھوکہ دہی، خواتین کی ہراسانی اور ڈیٹا چوری کے کیسز نمایاں ہیں۔ ملک میں پرائیویسی قوانین ابھی عالمی معیارات کے مطابق نہیں، جس سے عام صارفین کی معلومات کے غلط استعمال کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔

پاکستان کا ڈیجیٹل مستقبل صرف جدید ٹیکنالوجی اپنانے سے نہیں بلکہ اسے اخلاقیات اور سماجی اقدار سے ہم آہنگ کرنے سے ہی مستحکم ہو سکتا ہے۔ آج جب AI اور ڈیجیٹل ٹولز ہماری زندگی کا حصہ بنتے جا رہے ہیں، تو ٹیکنالوجی اور انٹرنیٹ کی رسائی کے ساتھ ساتھ اخلاقیات اور اقدار کو جوڑنا ناگزیر ہو چکا ہے۔ Digital Rights Foundation کی 2022ء رپورٹ میں کہا گیا کہ پاکستان میں 68 فیصد انٹرنیٹ صارفین کو آن لائن اخلاقی حدود اور ڈیجیٹل سیکیورٹی سے متعلق آگاہی نہیں۔

ایسے میں اسکولوں، کالجوں اور میڈیا کے ذریعے ڈیجیٹل اخلاقیات، پرائیویسی، رواداری اور ذمہ دارانہ آن لائن رویے کی تربیت دینا وقت کی ضرورت ہے تاکہ ٹیکنالوجی انسانیت کی خدمت کا ذریعہ بنے نہ کہ معاشرتی انتشار کا۔

ایک اور مسئلہ چائلڈ جنریشن کا ہے موبائل فون کا ضرورت سے زیادہ استعمال بچوں کی جسمانی، ذہنی اور سماجی صحت پر گہرے اثرات ڈال رہا ہے۔ عالمی ادارہ صحت (WHO) اور امریکن اکیڈمی آف پیڈیاٹرکس (AAP) کی رپورٹس کے مطابق 2 سے 5 سال کی عمر کے بچوں میں یومیہ اسکرین ٹائم ایک گھنٹے سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ اس سے نیند کی خرابی، موٹاپا، نظر کی کمزوری اور سوشل اسکلز (Social Skills) کی کمی جیسے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔[11] ایک تحقیق کے مطابق 2019ء میں پاکستان میں اسکول جانے والے بچوں میں 35 فیصد بچے اسمارٹ فون ایڈکشن کی علامات کا شکار پائے گئے، جن میں غصہ، چڑچڑاپن، نیند میں کمی اور پڑھائی سے بے توجہی نمایاں تھی۔ موبائل فون کے زیادہ استعمال سے بچوں کے دماغی نشوونما پر منفی اثرات ہوتے ہیں کیونکہ یہ دماغ کے prefrontal cortex کی نشوونما میں رکاوٹ ڈال سکتا ہے جو کہ یادداشت اور فیصلہ سازی سے وابستہ ہے۔

اختتام:

پاکستان کے پاس دنیا کے ان چند ممالک میں شامل ہونے کا موقع ہے جہاں نوجوانوں کی توانائی کو ڈیجیٹل انوویشن کے ذریعے قومی ترقی کا محرک بنایا جا سکتا ہے۔ تاہم اس کے لیے ضروری ہے کہ ڈیجیٹل پالیسیوں، تربیتی پروگرامز اور انفراسٹرکچر کی ترقی پر مستقل بنیادوں پر کام ہو جس سے پاکستان میں صنعتی ترقی، زرعی بہتری اور طبی سہولیات میں انقلابی تبدیلیاں لائی جا سکتی ہیں۔

آج جب مایوسی کے سائے پاکستان کے باسیوں پر چھائے نظر آتے ہیں تو جدید ٹیکنالوجی کے علم سے سیاہ بادل چھٹ سکتے ہے، بشرطیکہ ہم سب مل کر اپنے حصے کی ذمہ داری ادا کریں۔ پاکستان کے نوجوان، اساتذہ، سائنسدان، کاروباری حضرات اور عام شہری اگر اپنی صلاحیتوں کو مثبت سمت میں لگادیں تو وہ پاکستان کو ڈیجیٹل ترقی کی ایسی منزل پر پہنچا سکتے ہیں جہاں خوشحالی، خود کفالت اور عزت و وقار ہمارا مقدر ہوگا۔ ایک ایسا پاکستان جہاں ہر جگہ جدید سہولت، تعلیم کے ذرائع، مریض کو علاج میسر اور کاروباری حضرات کو گاہک میسر ہوگا۔ یہ سب خواب صرف اس وقت حقیقت بن سکتے ہیں جب ہم ایک قوم بن کر اس منزل کی جانب بڑھیں۔ اب وہ وقت ہے جب ہم سب کو اپنے حصے کی شمع جلانی ہے اور پاکستان کے ڈیجیٹل مستقبل کی شاہراہ پر امیدوں کے چراغ روشن کرنے ہیں، کیونکہ یہی راستہ ہماری خود مختاری، ترقی اور وقار کی ضمانت ہے۔

☆☆☆

[11] https://www.who.int/news-room/detail/24-04-2019-to-grow-up-healthy-children-need-to-sit-less-and-play-more

فلسفۂ پاکستان تشکیل سے تجدید تک

پاکستان کا فکری وجود: تاریخ، نظریہ اور آج کی دنیا میں اس کا جواز

ڈاکٹر ادریس آزاد

ڈاکٹر کنیز یوسف، سابق وائس چانسلر قائد اعظم یونیورسٹی، نے ایک بار کہا تھا؛ اور جنابِ جلیل عالی کے توسط سے یہ قول ہمیں منتقل ہوا کہ:

"مدینہ منورہ کے بعد اسلام کی سب سے بڑی کامیابی پاکستان ہے"۔

یہ جملہ، بظاہر سادہ ہے، لیکن غور کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ یہ حقیقت میں پاکستان کی تہذیبی بنیاد کے فلسفے کو مختصر ترین الفاظ میں بیان کرنے کا ایک سلیقہ ہے۔ جسے ہم مدینہ کہتے ہیں یہ پہلے یثرب تھا۔ یثرب سے مدینے تک کا سفر ایک ایسی تہذیب کی "ٹرانسفارمیشن" کا سفر ہے، جو اپنی ثقافتی قوت کے عروج پر تھی جب اُسے یکایک تبدیل ہو جانا پڑا۔ یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ گویا کوئی بہت بڑی متبادل ثقافتی قوت وارد ہو رہی تھی جس نے سابقہ قوت کو شکست دی اور فقط 23 برس کے اندر اندر ایک نئی تہذیب کی بنیاد رکھ دی۔ یہ بہت بڑی متبادل ثقافتی قوت آخر یکایک کیسے پیدا ہو گئی؟ بظاہر اتنا بڑا ذہنی انقلاب جو پورے کے پورے سماج کو یکسر نئے راستوں پر چلا دے، کیونکر ممکن ہوا؟

اقبال کے نزدیک یہ رسالت مآب (ﷺ) کی اکمل ترین ہستی کے سراجِ مُنیر سے پھوٹنے والا اُجالا تھا، جس نے نہ صرف وادیِ حجاز کے بیابانیوں کو "خیابان و گلزار و باغ" میں بدل دیا بلکہ پوری انسانیت کو وجودی کرب کی عزلتوں سے نکال کر تکریمِ انسانیت سے روشناس کرا دیا۔ انسانوں کو پہلی بار احساس ہوا کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کے گناہوں کی سزا کے طور پر اس تاریک دنیا میں موجود نہیں ہیں بلکہ انہیں یہاں بھیج کر موقع دیا گیا ہے۔ محض ایک مٹی کے پتلے کی سطح سے اُوپر اٹھنے اور آگے بڑھ جانے کا موقع۔ دنیا تاریک ہے تو کیا ہوا، تم اِسے خود روشن کر سکتے ہو۔ یہ تمہارا قرارِ تمکین اور مستقرِ الی حین ہے۔ تمہیں یہاں رہ کر اپنی دنیا حسین بنانی ہے تاکہ تمہاری آخرت بھی حسین بن جائے۔

یہ پیغام تھا ہی اتنا جاندار کہ وجودیت کے کرب میں مبتلا انسانیت کا احساسِ کمتری یکایک ختم ہونے لگا۔ اُداس انسانیت جیسے خوشی سے جھوم اُٹھی۔ دورِ قدیم سے فطرت کی سفاکیوں اور انسان کی کمتریوں، مجبوریوں اور معذوریوں کی جو دیومالائی داستانیں، مائیں اپنے بچوں کو سناتی آئی تھیں، وہ اب فطرت کو تسخیر کرتے ہوئے انسانوں کے کمالات کی داستانوں کے ساتھ بدلنا شروع ہو گئیں۔

رسالت مآب (ﷺ) کی آمد کے ساتھ شروع ہونے والا انقلاب ذہنی ایک نئے انسان کی تعمیر کا منصوبہ تھا۔ ایک ایسا انسان جو "اپنی خودی پہچانتا" ہے اور اس لیے مشکلاتِ حیات کو، اُس ذوق و تجسس اور قوت کے ساتھ کھیلنے کی چیزیں سمجھتا ہے، جس ذوق و تجسس اور قوت کے ساتھ کوئی کھلاڑی اپنا من پسند کھیلتا ہے۔ یہ واقعی ایک کلیتاً نیا انسان تھا۔

چنانچہ یہ تھی وہ ٹرانسفارمیشن جس نے یثرب کو مدینہ ہی نہ بنا دیا تھا بلکہ دنیائے قدیم اور دنیائے جدید کے درمیان ایک خطِ فاصل بھی کھینچ دیا تھا۔ یہ فقط ایک چھوٹے سے بنجر سماج کی زرخیزی کا مشن نہیں تھا، بلکہ یہ پوری انسانیت کے ذہنی تناظر اور فلسفۂ حیات کو منقلب کر دینے کا ایک جہانگیر منصوبہ تھا۔

علامہ اقبال خطبات میں ایک جگہ اسی تناظر میں لکھتے ہیں کہ:

"اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یوں نظر آئے گا جیسے پیغمبر اسلام (ﷺ) کی ذات گرامی کی حیثیت دنیائے قدیم اور جدید کے درمیان ایک واسطہ کی ہے۔ بہ اعتبار اپنے سرچشمۂ وحی کے آپ کا تعلق دنیائے قدیم سے ہے، لیکن بہ اعتبار اس کی روح کے دنیائے جدید سے۔ یہ آپ

ہی کا وجود ہے کہ زندگی پر علم و حکمت کے وہ تازہ سرچشمے منکشف ہوئے جو اس کے آئندہ رخ کے عین مطابق تھے- لہٰذا اسلام کا ظہور جیسا کہ آگے چل کر خاطر خواہ طریق پر ثابت کر دیا جائے گا، استقرائی عقل کا ظہور ہے''-

لیکن سوال یہ ہے کہ وہ فلسفۂ حیات کیا تھا، جس نے اقبال کے بقول دنیائے جدید کی بنیاد رکھی اور زندگی پر علم و حکمت کے وہ تازہ سرچشمے منکشف کیے جو اس کے آئندہ رخ کے عین مطابق تھے؟

اس سوال کا جواب اگرچہ رسالت مآب (ﷺ) کی حیاتِ طیبہ اور قرانِ حکیم کی ایک ایک سطر سے عیاں ہے، تاہم جس روز قرانِ حکیم کی آیت، ''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا''[1] کے ذریعے دینِ اسلام کے مکمل ہو جانے کا اعلان نشر کیا گیا، اُسی روز رسالت مآب (ﷺ) نے اِس فلسفۂ حیات کا سب سے بڑا بنیادی اصول بھی بیان فرمایا- جب فرمایا:

''يَا اَيُّهَا النَّاسُ! اَلَا اِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَاِنَّ اَبَاكُمْ وَاحِدٌ اَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى اَعْجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰى اَسْوَدَ وَلَا اَسْوَدَ عَلٰى اَحْمَرَ اِلَّا بِالتَّقْوٰى''

''اے لوگو! آگاہ ہو جاؤ' یقیناً تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے- خبردار! نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت حاصل ہے اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر- اور نہ کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت حاصل ہے اور نہ کسی کالے کو کسی گورے پر- فضیلت کی بنیاد صرف تقویٰ ہے''-

آپ (ﷺ) نے گویا پوسٹ ماڈرنزم کی ایجاد سے 1400 برس قبل ہی بائنری متضادات (Binary Oppositions) کے خاتمے کو بنیادی فلسفۂ انسانیت قرار دے دیا- تکمیلِ دین اسلام کے روز، خطبہ حجۃ الوداع کے دوران اس اعلان کا ہونا اپنے اندر بہت گہرے معانی رکھتا ہے-

چنانچہ جب علامہ اقبال رسالت مآب (ﷺ) کی ذاتِ اقدس کو دنیائے قدیم اور دنیائے جدید کے درمیان واحد واسطہ قرار دیتے ہیں، تو ایک لحاظ سے وہ دنیائے قدیم کو دنیائے جدید سے الگ بھی کر دیتے ہیں- اور مزید یہ کہہ کر ''اسلام کا ظہور استقرائی عقل کا ظہور ہے''، گویا وہ میکانزم بھی بتا دیتے ہیں جس کی بدولت عالمِ انسانیت کی، دنیائے قدیم سے دنیائے جدید میں ''ٹرانسفارمیشن'' ہوئی- استقرائی عقل کہتے ہیں اس عقل کو جو کلیات کے علم کی بجائے جزیات کے علم پر توجہ مرکوز کرتی ہے- رسالت مآب (ﷺ) کی بعثت سے قبل دنیائے قدیم کا انسان کلیات کے علم کو ہی علم سمجھتا تھا اور جزیات کے علم کو ناپسند کرتا تھا- اقبال کے الفاظ میں:

''سقراط کی توجہ صرف عالمِ انسانی پر تھی- اس کے نزدیک انسان کے مطالعے کا بہترین موضوع انسان ہی ہو سکتا ہے، نہ کہ نباتات اور حشرات، یا ستاروں کی دنیا- مگر اس سے کس قدر مختلف ہیں قرانِ پاک کی تعلیمات، جس کا ارشاد ہے کہ شہد کی مکھی ایسی حقیر شے بھی وحیِ الٰہی سے بہرہ ور ہوئی اور جس نے بار بار اس امر کی دعوت دی کہ ہواؤں کے مسلسل تغیر و تبدل کا مشاہدہ کیا جائے، نیز دن رات کے اختلاف، تاروں بھرے آسمان اور بادلوں کا جو فضائے لامحدود میں تیرتے پھرتے ہیں- سقراط کے شاگردِ رشید افلاطون کو بھی ادراک بالحواس سے نفرت ہی رہی- اس کا خیال تھا ادراک بالحواس سے کوئی حقیقی علم تو حاصل نہیں ہوتا تاہم اس کی بنا پر صرف ایک رائے قائم کر سکتے ہیں- برعکس اس کے قرانِ مجید نے سمع و بصر کا شمار اللہ تعالیٰ کے گراں قدر انعامات میں کیا اور عند اللہ اپنے اعمال و افعال کا جواب دہ ٹھہرایا-''

استقرائی علم جزیات کا علم تھا جو لازمی طور پر انسانیت کو بالآخر سائنسی علوم کی طرف متوجہ کرنے والا تھا- اقبال خطبات میں لکھتے ہیں کہ یورپ کے بعض مؤرخین کو اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ آخر اسلام کا ظہور جزیرۂ عرب میں

[1] ''آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا''- (المائدہ:3)

کیوں کر ہوا؟ ان کے خیال میں اتنے بڑے مذہب کا ظہور قدرتی طور پر تو روم یا فارس میں ہونا چاہیے تھا کیونکہ وہ اس وقت کی عظیم تہذیبیں تھیں اور ان کے لوگوں کو ضرورت تھی، ایک نئے مذہب کی، نہ کہ دنیا سے کٹے ہوئے ایک دور دراز کے جزیرہ نما، یعنی حجاز کو اس کی ضرورت تھی- اقبال جواب میں کہتے ہیں کہ "عالم فطرت اپنی ضروریات کا مشاہدہ کر لیتا ہے"- عالم فطرت نے مشاہدہ کر لیا تھا کہ فارس و روم (اور مشرق و مغرب) تک روشنی پہنچانے کا اہتمام بھی عرب میں ہی کیا جا سکتا تھا- لیکن اگر ہم اُس میکانزم پر غور کریں جس کی بدولت عرب کی اس روشنی نے دنیائے قدیم کو دنیائے جدید میں بدلا، تو ٹھیک ٹھیک نظر آجاتا ہے کہ عرب سے یورپ تک یہ فلسفۂ حیات کن مراحل سے گزر کر منتقل ہوا-

روشنی کا سفر، صحرائے عرب سے جدید یورپ تک:

جزیرۂ عرب کا زیادہ حصہ ایک تپتا صحرا ہے- یہاں زرخیز زمینیں کبھی بھی نہیں رہیں- اس لیے صدیوں تک یہاں کے لوگوں کا ذریعۂ معاش صرف تجارت ہی تھا- قرونِ وسطیٰ میں عربوں کے تجارتی روابط رومیوں، ایرانیوں اور یہودیوں کے ساتھ تھے- عرب کے لوگ چونکہ سوداگر تھے اس لیے ملک ملک گھومتے تھے-

کارل مارکس کی تاریخی مادیت سے تہذیب کا جو تصور ابھرتا ہے، وہ یہ ہے کہ کوئی بھی تہذیب کسی قوم کے اقتصادی حالات میں تغیر کے تاریخی تجربے کی عکاس ہوتی ہے- یعنی کسی قوم کی معیشت میں جو جو تغیرات برپا ہوتے ہیں وہ اس قوم کی سماجی اقدار کو وضع کرنے میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں- یہی اقتصادی تغیرات ہی کسی قوم کا حقیقی تاریخی تجربہ ہوتے ہیں- اس اعتبار سے ہم دیکھیں تو قبل از اسلام کا حجاز ایک تاجر اور کاروباری حجاز تھا- جبکہ اسی زمانے کا یورپ کاروباری یورپ نہیں تھا-

یہ ایک مشاہدے میں آنے والی حقیقت ہے کہ اگر کسی قوم کا ذریعۂ معاش اُسے گھر پر ہی یعنی اپنے وطن میں ہی دستیاب ہو تو بیرونی اقوام کے ساتھ اس کا تعامل محدود ہوتا ہے- نتیجتاً بیرونی اقوام کی ثقافت، ان کے رسم و رواج، علم و ایجاد اور زبان و ادب تک بھی اس کی رسائی ویسے نہیں ہو پاتی، جیسے کسی سوداگر قوم کے افراد کی ہو سکتی ہے- اس کے برعکس اگر کسی قوم کے ذریعۂ معاش کا تعلق ہی بیرونی اقوام سے تعامل کے ساتھ ہو، یعنی وہ قوم کاروباری ہو، تو لازم ہو جاتا ہے کہ اس قوم میں "قبولیت کی لچک" بھی پائی جائے- قبولیت کی لچک سے مراد ہے، بیرونی اقوام کے رسم و رواج، علم و ایجاد اور زبان و ادب کو ناپسندیدگی سے نہ دیکھنے کی وسعتِ نظری و قلبی- دراصل وہ خطۂ زمین جو زرخیز ہے اور جہاں کے باشندوں کو خوراک، کھیتوں اور فصلوں سے مل جاتی ہے وہاں لوگوں کو اپنے علاقے سے باہر جانے کے مواقع بہت کم میسر آتے ہیں- اس لیے ان میں قدرتی طور پر حفظِ خویش (قبیلہ، ثقافت، علاقہ) کا نظام بھی مضبوط ہوتا ہے، اور نئے خیالات، نئی رسموں اور علم و ایجاد کے خلاف ان کا مدافعتی نظام بھی خاصا مضبوط ہوتا ہے-

اس کے برعکس جن خطوں میں زراعت نہیں ہوتی یعنی وہ فصلوں اور کھیتوں سے اپنی خوراک حاصل نہیں کر پاتے، انہیں مجبوراً تجارت اختیار کرنا پڑتی ہے- ایسے کاروباری یا تاجر معاشروں میں لوگوں کو اپنے علاقوں سے باہر جانے کے متعدد اور مسلسل مواقع میسر آتے رہتے ہیں، جس کا لازمی نتیجہ نت نئی سوچوں کا ادغام، نئے نئے خیالات اور رسم رواج کی درآمد کی صورت ظاہر ہوتا ہے- چنانچہ ایسے معاشرے قدرتی طور پر جدید معاشرے ہوتے ہیں-

زمانۂ قبل از اسلام کا عرب معاشرہ ایک ایسا ہی معاشرہ تھا- قرآن کریم کی سورۂ قریش میں قریش کے تجارتی قافلوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: رِحۡلَةَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیۡفِ قریش سردیوں اور گرمیوں کے تجارتی سفر کر کر کے اب ان سفروں سے مانوس ہو چکے ہیں- یعنی انہیں تجارتی

(قریش:2)

اسفار کی عادت ہو چکی ہے۔ یہ گویا خود اللہ تعالیٰ قریش کے مرچنٹ کیپیٹالزم کا تذکرہ فرماتے ہوئے بتا رہے ہیں کہ تجارت کے لیے سفر کرنا قریش کا کلچر ہے۔

عرب جس قسم کی اقتصادیات کے حامل تھے، مارکس کے الفاظ میں ہم اسے مرچنٹ کیپٹالسٹ سوسائٹی کہیں گے۔ مرچنٹ کیپٹالسٹ وہ معاشرہ ہوتا ہے جہاں سے تاجر دور دراز کے علاقوں میں اپنی اشیائے فروخت لے کر جاتے ہیں اور دور دراز کے علاقوں سے اپنے وطن میں اشیائے فروخت لے کر آتے ہیں۔ بالکل ویسے جیسے قریش کیا کرتے تھے۔ مارکس نے داس کیپیٹال کے والیم تھری میں وینس اور جنووا کے معاشروں کو مرچنٹ کیپٹالسٹ معاشروں کی بہترین مثالوں کے طور پر پیش کیا ہے اور اُنہیں قرونِ وسطیٰ میں (اُس وقت کے) مستقبل کے انڈسٹریل کیپٹالزم کے شاخسانے قرار دیا ہے۔ جبکہ وینس اور جنووا اُن شہروں میں شامل ہے جہاں اس دور کے عرب تاجروں کی مستقل آمد و رفت جاری رہتی تھی۔

تاریخ میں اس بات کے بے پناہ شواہد موجود ہیں کہ یہ اسلامی مرچنٹ کیپٹالزم ہی تھا جس کا تحفۂ جدیدیت انیسویں صدی کے یورپ میں، ماڈرنٹی کی صورت ظاہر ہوا۔ عربوں کا تاجر ہونا کس کس طرح سے اپنے وقت میں یورپ کی نشاۃِ ثانیہ (renaissance) کا باعث بنا، تاریخ کے اس باب کا مطالعہ نہایت درجہ اہم ہے۔ چودھویں صدی عیسوی کے اطالوی شاعر پیٹرارک کی ادبی تحریریں اور اس کی سوانح پڑھیں تو اندازہ ہو جاتا ہے کہ عباسی خلافت کے آخری دنوں میں کس طرح یورپ میں کلاسیکی لٹریچر کو عربی سے لاطینی میں ترجمہ کرنے کی تحریکیں اُٹھ رہی تھیں۔ پیٹرارک نشاۃِ ثانیہ کے ان اوّلین ادیبوں میں شامل ہے جنہوں نے قدیم یورپ کی شان و شوکت کو دوبارہ آواز دی اور نشاۃِ ثانیہ کی بنیاد ڈالی۔ پیٹرارک کا مؤقف تھا کہ عربی علم و ادب اوّل دور کے یونانی (یعنی

یورپی) علم و ادب کا ہی ترجمہ ہے، اور اِس لیے اپنا کھویا ہوا اثاثہ عربی سے واپس لاطینی میں ترجمہ کیا جانا چاہیے، تاکہ یورپ کے علوم یورپ کو واپس میسر آئیں۔ چنانچہ یہ عربی سے لاطینی میں ہونے والے تراجم ہی تھے جو یورپ کی نشاۃِ ثانیہ کا باعث بنے۔ عربی سے لاطینی تراجم کی صدی گیارھویں اور بارھویں صدی عیسوی ہے، جبکہ یورپ کی نشاۃِ ثانیہ کی صدی تیرھویں اور چودھویں صدی عیسوی ہیں۔

تاریخِ یورپ میں نشاۃِ ثانیہ کا پورا دور مسلمانوں سے مرعوبیت کا دور بھی ہے۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق نے اپنی کتاب "یورپ پر اسلام کے احسانات میں" ولیم ڈریپر کے حوالے سے لکھا ہے کہ قرونِ وسطیٰ کے یورپی، اسلامی تہذیب کی نقل کیا کرتے تھے۔ جب چرچ نے فرانس کے بادشاہ فلپ کو سزا سنائی تھی تو فہرستِ الزامات میں یہ بھی درج تھا کہ یہ مسلمانوں کی طرح روزانہ ہاتھ منہ دھوتا ہے۔ ڈاکٹر برق لکھتے ہیں کہ یورپی ممالک کے بادشاہ اپنی قباؤں پر عربی کی تحریریں لکھوایا کرتے تھے تاکہ وہ ماڈرن نظر آئیں اور لوگوں پر ان کا رُعب پڑے۔

نشاۃِ ثانیہ کے ہی زمانے میں اہلِ یورپ میں شوقِ سیاحت نے رواج پانا شروع کیا۔ اہلِ یورپ کی انہی ابتدائی سیاحتوں نے اپنے زمانے کے فیوڈل یورپ کو کاروباری یورپ میں ڈھالنے کی بنیاد ڈالی۔ یہ وہی زمانہ ہے جب مارکو پولو مشرقی ممالک کی سیاحت کے لیے نکلا۔ نئی نئی دنیاؤں کی معلومات یورپ آنا شروع ہوئیں اور ایک ہزار برس سے بدترین فیوڈلزم میں جکڑا ہوا پورا مغربی یورپ پہلی بار تجارت کے راستے پر چل پڑا۔

پھر نشاۃِ ثانیہ کے نتیجے میں یورپ میں تحریکِ اصلاح (reformation) شروع ہوگئی۔ ریفارمیشن سے مراد ہے مذہبی عقائد میں اجتہاد۔ مسیحی عقائد کی ریفارمیشن میں سب سے بڑا نام مارٹن لوتھر کا ہے۔ مارٹن لوتھر کی تحریکِ اصلاح کو

کیتھولک چرچ نے مسترد کر دیا تو یہ تحریک ایک نئے فرقے میں ڈھل گئی، جسے پروٹیسٹنٹ کہا جاتا ہے- اور یہ پندرھویں صدی کی بات ہے- اسی صدی میں واسکوڈے گاما نے ہندوستان دریافت کیا-

ریفارمیشن کا ایک لازمی نتیجہ عقلی اور ظاہری علوم کی طرف مائل ہونے کی صورت میں نکلنا تھا- اور یوں یورپ میں روشن خیالی(Enlightenment) کا دور شروع ہوا- عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ فقط یورپ کے عہد روشن خیالی کی وجہ سے یورپ میں سائنس نے جنم لیا- راجر بیکن کو بابائے تجربی منہاج(Father of scientific method) کہا جاتا ہے--یعنی یہ کہا جاتا ہے کہ یورپ میں استقرائی عقل کا آغاز راجر بیکن نے کیا- اس میں شک نہیں کہ راجر بیکن کا تجربی منہاج ایک فلسفیانہ انقلاب تھا جس نے یورپ کی قرونِ وسطیٰ کی جامد علمی روایت کو توڑا اور تجربہ و مشاہدہ کو علم کی روشنی کا مرکز بنا دیا- آگے چل کر جب فرانسس بیکن، گیلیلیو اور نیوٹن نے راجر بیکن کے تجربی منہاج کے اصولوں پر مظاہر فطرت کا مطالعہ شروع کیا تو گویا عظیم سائنسی انقلاب کے دروازے چوپٹ کھل گئے- لیکن اقبال اپنے خطبات میں جب یہاں پہنچتے ہیں تو پھر ایک سوال اٹھاتے ہیں- لکھتے ہیں:

"سوال یہ ہے کہ راجر بیکن نے علم و حکمت کا درس لیا تو کہاں؟ اس کا ایک ہی جواب ہے اور یہ کہ اندلس کی اسلامی درس گاہوں میں- چنانچہ اس کی تصنیف 'اوپس ماژس' کے باب پنجم کا مطالعہ کیجیے جس کا تعلق مرایا سے ہے تو صاف نظر آجائے گا کہ یہ ابن الہیثم ہی کی بصریات کا چربہ ہے- پھر اس تصنیف پر ابن حزم کے اثرات بھی نمایاں ہیں- یورپ نے اس حقیقت کو اگرچہ بہت دیر میں تسلیم کیا کہ سائنس کا منہاج دراصل مسلمانوں کی دریافت ہے لیکن بالآخر اسے اس کا اعتراف کرنا ہی پڑا"-

اس کے بعد اقبال اپنے اس دعوے کی دلیل میں کہ "یورپ کو بالآخر مسلمانوں کی دریافت کا اعتراف کرنا پڑا" رابرٹ بری فولٹ کی کتاب "تشکیل انسانیت" سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں:

"یہ آکسفورڈ اسکول میں ان کے جانشین تھے جن سے راجر بیکن نے عربی اور علوم عربیہ کی تعلیم پائی- لہٰذا تجربی منہاج کی اشاعت پر فخر کرنے کا حق راجر بیکن کو پہنچتا ہے، نہ اس کے مشہور ہم نام کو- راجر بیکن کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں کہ مسیحی یورپ میں اس کا شمار اسلامی سائنس اور منہاج سائنس کے مبلغین میں ہوتا ہے- وہ یہ کہتے کبھی نہیں تھکتا کہ اگر اس کے معاصرین کو سچ مچ علم کی تلاش ہے تو انہیں چاہیے عربی زبان اور عربی علوم کی تحصیل کریں- رہی یہ بحث کہ منہاج تجربی کس کی ایجاد ہے- سو یہ بھی ایک نمونہ ہے ان زبردست غلط بیانیوں کا جو مغربی تہذیب کے مبدأ و ماخذ کے بارے میں کی جاتی ہیں- اس لیے کہ بیکن کا زمانہ آیا تو عربوں کا تجربی منہاج سارے یورپ میں پھیل چکا تھا اور لوگ بڑے اشتیاق سے اس کی طرف بڑھ رہے تھے"-

چنانچہ یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ یورپ کا علمی عروج عربوں کی استقرائی عقل کا ہی تحفہ ہے جو جدیدیت کی صورت، کم سے کم چار صدیوں میں، یورپ منتقل ہوا اور یورپ کی ٹرانسفارمیشن کا سبب بنا- اقبال نے خطبات میں لکھا ہے کہ، "اگر ہمارا نوجوان ذہن آج مغربی تہذیب کی طرف مائل ہونا چاہتا ہے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ مغربی تہذیب اسلامی تہذیب کے ہی بعض پہلوؤں کا عکس ہے"-

ہندوستانی مسلمانوں کی تہذیبی ساخت:

پندرھویں صدی عیسوی کے وسط میں، جب سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ فتح کر لیا، تو ایشیا اور یورپ کے درمیان قدیم تجارتی راستے عثمانی ترکوں کے زیر نگین آ گئے- اس کے بعد یورپی طاقتوں کو مشرق، بالخصوص ہندوستان، تک پہنچنے کے لیے نئے بحری راستے تلاش کرنے کی شدید ضرورت محسوس ہونے لگی- چنانچہ واسکوڈے گاما، پرتگالی بادشاہ کی سرپرستی میں، 20 مئی 1498ء کو جنوبی ہندوستان کے ساحلی شہر کالی کٹ (موجودہ کوژیکوڈ، کیرالہ) پہنچا-

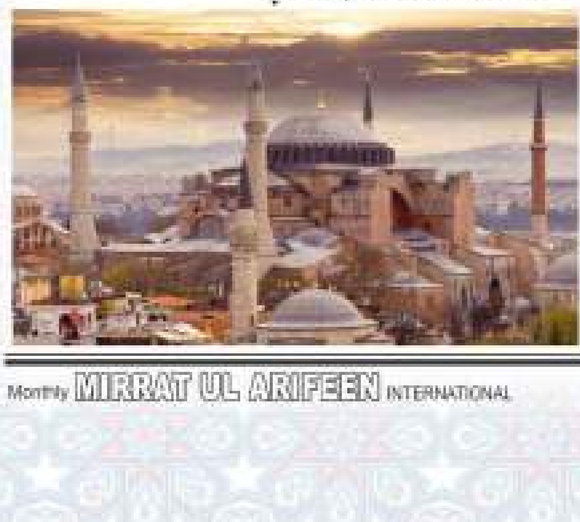

اس وقت شمالی ہند میں سلطان سکندر لودھی دہلی کی سلطنت کا حکمران تھا، تاہم واسکوڈے گاما کی ملاقات کسی مسلم سلطان سے نہ ہو سکی- وہ صرف زمورین حکمران (کالی کٹ کا مقامی ہندو راجا) سے ملا اور چند تجارتی اشیاء لے کر جلد ہی پرتگال واپس روانہ ہو گیا تاکہ اپنے بادشاہ کو یہ خبر دے سکے کہ ہندوستان تک سمندری راستہ دریافت ہو چکا ہے اور یہ ملک دولت، مصالحہ جات اور تجارتی امکانات سے مالا مال ہے-

یہ وہ زمانہ ہے جب مسلمان تاجر جنوبی ہند کے ساحلی علاقوں، بالخصوص کالی کٹ کی بندرگاہوں پر تجارت، اثر و رسوخ اور سفارتی حکمت عملی کے اعتبار سے نہایت فعال اور بااثر تھے- تاریخی روایت ہے کہ جب واسکوڈے گاما 1498ء میں کالی کٹ کے زمورین (مقامی ہندو راجا) سے ملاقات کے لیے پہنچا، تو دربار میں کچھ مسلمان، خصوصاً عرب تاجر پہلے سے موجود تھے- ان تاجروں نے نہ صرف زمورین کے ساتھ دیرینہ اعتماد کا رشتہ قائم کیا ہوا تھا، بلکہ انہوں نے پرتگالیوں کے بارے میں راجا کو چونکا دینے والی سیاسی بصیرت بھی دی-

ممتاز ہندوستانی مؤرخ کے ایم پنی کّر (K.M. Panikkar) لکھتے ہیں:

"عرب تاجروں نے زمورین کو خبردار کیا کہ پرتگالی محض تاجر نہیں، بلکہ سلطنتوں کو زیر کرنے والے لوگ ہیں- ان کی یہ رائے واسکوڈے گاما کی سرد مہری سے بھرپور پذیرائی کا سبب بنی"-

اسی سبب راجہ زمورین نے واسکو ڈے گاما کی پیش کردہ معمولی اور غیر متاثر کن اشیاء کو سرد مہری سے دیکھا اور نہ کوئی تجارتی وعدہ کیا، نہ کوئی سیاسی التفات دکھایا- واسکوڈے گاما کو جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ وہ صرف ایک بندرگاہ تک نہیں، بلکہ ایک صدیوں پر محیط تجارتی روایت اور ایک ایسے مستحکم اقتصادی توازن سے ٹکرا گیا ہے، جس کے محور میں عرب تاجروں کی غیر معمولی بصیرت اور رسوخ موجود تھا-

اُس دور میں ہندوستانی مسلمان، عرب تاجروں کی رہنمائی اور تقلید کے زیر اثر، تجارت کی باریکیوں سے بخوبی واقف ہو چکے تھے- بلکہ کئی مواقع پر عربوں سے بھی بڑھ کر ثابت ہوئے، اس لیے کہ اُن کا کردار صرف تاجر کا نہ تھا بلکہ وہ صنعت کاری میں بھی پیش پیش تھے- ہندوستانی مسلمان وہ طبقہ تھے جنہوں نے یورپ سے کہیں پہلے مرچنٹ کیپٹلزم سے انڈسٹریل کیپٹلزم کی طرف پیش قدمی کی تھی اور جدیدیت کی شروعات کو محسوس کر لیا تھا- وہ معاشی ثمرات، وہ تجارتی اُفق اور وہ سیاحتی تجربات جنہیں اہل یورپ نے پندرھویں اور سولہویں صدی میں دریافت کرنا شروع کیا، ہندوستانی مسلمان انہیں آٹھویں سے سولہویں صدی عیسوی تک اپنی آنکھوں سے دیکھ اور برت بھی چکے تھے-

اسلام کا ورودِ ہند بھی ان ہی عرب تاجروں اور ان کے ساتھ آنے والے صوفیائے کرام کے ذریعے ہوا، جن کی علمی روشنی، روحانی خوشبو اور اقتصادی فہم نے برصغیر کی زمین کو بدل کر رکھ دیا- ہندوستانی مسلمانوں نے تجارت عربوں سے سیکھی اور ایسی محنت و حکمت سے سیکھی کہ چند ہی صدیوں میں ہندوستان کو اہل یورپ کے لیے سونے کی چڑیا بنا ڈالا- چنانچہ جب یورپی اقوام نے برصغیر کا رخ کیا، تو درحقیقت ہندوستانی مسلمانوں کی تہذیبی تابناکی، اقتصادی خوشحالی اور صنعت کاری کی چمک ہی انہیں کھینچ کر یہاں لائی تھی- یہ وہ عہد تھا جب بحیثیت مسلمان، ہندوستانی مسلمانوں کی اقتصادی فعالیت دنیا میں ایک نظیر بن چکی تھی اور بحیثیت تہذیبی وحدت، وہ مشرق اور مغرب کے درمیان ایک زندہ اور بامعنی پُل کی حیثیت اختیار کر چکے تھے-

ہندوستانی مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں پہلا بڑا تہذیبی اور فکری انحراف اُس وقت ظہور پذیر ہوا جب مغل بادشاہ جلال الدین اکبر نے اپنے سیاسی افکار کی بنیاد قدیم ہندو فلسفی شنکر اچاریہ کے نظریہ سریت پر رکھی، اور اسے دینِ الٰہی کے نام سے موسوم کیا۔ اکبر کی خواہش تھی کہ اس کی سلطنت کی رعایا مذہبی تفرقوں سے بالا ہو کر ایک ہم آہنگ وحدت میں ڈھل جائے۔ ہندوستان کئی مذہبی اور لسانی گروہوں کا مجموعہ تھا۔ اکبر نے شنکریت کے ذریعے ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک قوم بنانا چاہا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ فکرِ قرآنی اس طرح کے تصورِ حلول و ادغام کی اجازت نہیں دیتی۔

اقبال کا سب سے زوردار پیغام:

اقبال نے اسرارِ خودی میں جس وجدانی جوش کے ساتھ اس نکتے کی صراحت کی ہے، تاریخِ علم میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اقبال نے شنکری نکتہ نظر کو فرد کی خودی کا قاتل اور سماج کی روحانی موت کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ بعض ناقدین اس مفہوم کی بات لکھتے ہیں کہ ہر مستبد حکمران کے لیے اس طرح کے نظریات پرکشش ہوتے ہیں کیونکہ یہ نظریہ انسانوں کو بظاہر محبت اور ہم آہنگی کا درس دیتا ہے، لیکن وقت کے ساتھ یہ محبت مرکز میں بیٹھے بادشاہ کی محبت میں ڈھل جاتی ہے اور یوں حکمران کی سیاسی مرکزیت کو الہیاتی جواز مل جاتا ہے۔

اقبال کی نظر میں وہ تمام فکری یا روحانی نظریات، جو فرد کی خودی کو مٹانے کی تلقین کرتے ہیں، اسلامی روح کے خلاف ہیں۔ خصوصاً وہ تعبیرات جو فرد سے قوتِ عمل، ارادے کی شدت اور مزاحمت کی جرات چھین لیں جیسے ملوکیت، تھیوکریسی یا رہبانی تصوف، اقبال کے ہاں شدید تنقید کا نشانہ بنتی ہیں۔

اے کُشتۂ سلطانی و مُلّائی و پیری

اسرارِ خودی کی پانچویں نظم میں اقبال ایک تمثیل کے ذریعے واضح کرتے ہیں کہ کس طرح کمزور، خوف زدہ اور مصلحت کوش قومیں اپنی بے عملی کو "روحانیت" کا نام دے کر خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ اقبال کی تمثیل میں ایک گوسفند خود کو صاحبِ الہام صوفی ظاہر کرتا ہے اور جنگل کے جانوروں بشمول شیر چیتا، سب کو، نرمی، عجز اور ترکِ خودی کا وعظ دینے لگتا ہے۔

صاحبِ آوازۂ الہام گشت
واعظِ شیرانِ خون آشام گشت

"وہ (گوسفند) الہام کا دعوے دار بن بیٹھا اور خون آشام شیروں کا واعظ بن گیا۔ یہ واعظ اس سبق پر زور دیتا ہے کہ":

ہر کہ باشد تند و زور آور شقی است
زندگی مستحکم از نفیِ خودی است

"جو بھی تیز خو اور طاقتور ہو، وہ بدبخت ہے۔ زندگی کا استحکام تو خودی کو مٹا دینے میں ہے۔ یعنی زور، حرکت اور خودی کو شر اور شقاوت کہا جا رہا ہے۔ اسی میں اقبال اس مذہبی رجحان پر بھی تنقید کرتے ہیں جو فقر، قناعت اور ترکِ دنیا کو عین نجات کا ذریعہ سمجھتا ہے"۔

روحِ نیکان از علف یابد غذا
تارک اللحم است مقبولِ خدا

"نیک لوگوں کی روح گھاس سے غذا پاتی ہے اور جو گوشت نہیں کھاتا، وہی خدا کا پسندیدہ ہے۔ سب سے سنگین بات تب ہوتی ہے جب اسی سوچ کے تحت استبداد اور ظلم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینے کو 'روحانی بلندی' سمجھا جاتا ہے"۔

میش نتواند بزور از شیر رست
سیم ساعد ما و او پولاد دست

"گوسفند طاقت کے زور سے شیر سے نجات نہیں پا سکتی۔ وہ کہتی ہے، ہمارا بازو چاندی سا نرم ہے اور شیر کا بازو فولاد کی طرح سخت"۔

اکبری نظریہ تصوف کا ردِ عمل سخت گیر ملائیت کی صورت میں متوقع تھا، اقبال نے شنکری رجحان کے رہبانی تصوف کے ساتھ ساتھ ملائیت کا بھی رد کیا اور تاریخی مصرعہ کہا:

دینِ ملا فی سبیل اللہ فساد

اقبال کے نزدیک بے عمل تصوف کا نظریہ یعنی نفیِ خودی، اگر کسی سماج کا اجتماعی عقیدہ بن جائے تو اس کے گہرے معاشرتی نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ ایسا معاشرہ دھیرے

دھیرے زندگی کی ضرورتوں کو محدود کرنے لگتا ہے۔ خاندانی نظام متاثر ہوتا ہے اور گھر اور خاندان روحانیت کے راستے کی رکاوٹیں محسوس ہونے لگتے ہیں۔

اسی طرح اقتدار پسند ملائیت بھی معاشرے کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیتی ہے، جیسے یزید کے درباری علماء نے کربلا کے واقعے سے چشم پوشی کرنے کیلئے جامد تقدیر پرستی کو فروغ دیا۔

حیران کن امر یہ ہے اکبر نے جس شعبہ دین (یعنی تصوف) کا سہارا لے کر ایک بدعت کا آغاز کیا اس کے خلاف سب سے بڑی مزاحمت ملائیت سے نہیں بلکہ خود اپنے عہد کے امام تصوف مجددِ الفِ ثانی شیخ احمد سرہندیؒ نے برپا کی۔

اکبری خطرے کو بھانپ کر مجددِ الفِ ثانی شیخ احمد سرہندیؒ تاریخ کے افق پر نمودار ہوئے اور شنکر اچاریہ کے فلسفۂ حلول کے اس خاموش مگر گہرے حملے کے سامنے عقیدۂ توحید کا استوار قلعہ تعمیر کیا۔ جہانگیر کے دور میں بھی یہ باطنی مداخلت جاری رہی۔ اگر اُس وقت حضرت مجددؒ فکری میدان میں نہ نکلتے تو نہ صرف اسلامی ملی تشخص مٹ جاتا، بلکہ بعد کی صدیوں میں پاکستان جیسی کسی ریاست کا تصور بھی محال ہوتا۔ اسی بصیرت واحسان کے اعتراف میں علامہ اقبالؒ نے حضرت مجدد کے مزار پر کھڑے ہو کر یہ بلیغ اور تاریخ ساز اشعار کہے تھے۔

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفَس گرم سے ہے گرمیِ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملّت کا نگہباں
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

ہندوستان میں مسلمانوں کا تہذیبی انحطاط:

مجدد الف ثانی کی بروقت مداخلت سے اکبر کا دین الٰہی، اکبر کے بیٹے جہانگیر کے زمانے کو بھی عبور نہ کر پایا۔ یہ چونکہ زیادہ طویل عرصہ نہیں تھا اس لیے مسلم سپرٹ پر اکبر کا یہ حملہ ہندوستانی مسلمانوں کی مجموعی فطرت پر کوئی قابلِ ذکر اثرات نہ ڈال سکا۔ وہ جیسے جوشیلے، فعال اور تجارت پسند پہلے تھے، ویسے ہی رہے۔ چنانچہ اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے تک تجارت اور صنعت کاری ہندوستانی مسلمانوں کی سب سے بڑی شناخت تھی۔ لاہور پوری دنیا میں سوتی کپڑے کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ انگریز کی آمد سے پہلے لاہور میں کپڑے کے تاجروں کی شان و شوکت قابلِ دید ہوا کرتی تھی۔ اپنی دولت کی نمائش کے لیے وہ سولہ گز لمبی، سفید سوتی کپڑے کی پگڑی باندھا کرتے تھے۔ برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگریز تاجر لاہور کے دکانداروں سے ہمیشہ مرعوب تھے۔ اُس عہد کے ہندوستانی مسلمانوں کی اقتصادی کامیابیوں کی تفصیل سید محمد طفیل منگلوری علیگ کی کتاب 'مسلمانوں کا روشن مستقبل' میں دیکھی جاسکتی ہے۔

چنانچہ برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کی آمد کے اولین زمانے تک ہندوستانی مسلمان ایک طاقتور، پڑھی لکھی اور فعال قوم تھے۔ وہ مہذب تھے، صاف ستھرے لباس پہنتے تھے، خوشبو لگاتے، تقریبات میں جمع ہوتے اور ضیافتوں میں شاہ خرچیاں کرتے تھے۔ سیّد طفیل علیگ کے مطابق مسلمان حکمرانوں کے ایوانوں میں انگریز تاجروں کی آمدورفت سے ہندوستانی مسلمان حکمرانوں کے طور اطوار بھی بدلنا شروع ہو گئے تھے۔

برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی، جہانگیر کے عہد میں، سورت میں اپنا پہلا تجارتی مرکز قائم کرنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔ اورنگزیب عالمگیر کے ابتدائی دور تک کمپنی محض ایک باادب تجارتی ادارہ تھی، جو مغل دربار کی اجازت اور سرپرستی کی محتاج تھی۔ اورنگزیب نے انگریزوں کو تجارت کی سہولتیں فراہم کیں، مگر جب بھی وہ قزاقی، دھوکہ یا تجاوز کے مرتکب ہوئے، سخت رد عمل بھی دیا۔ 1668ء میں برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی نے بمبئی کا علاقہ ہندوستانی سرکار سے لیز پر لے لیا۔

اورنگزیب کے ہی عہد میں، بنگال میں کمپنی نے پہلی جارحانہ پیش قدمی کی، جس کے جواب میں اورنگزیب نے انہیں عسکری طور پر شکست دی، جسے تاریخ میں بچوں کی جنگ "Child's War" کہا جاتا ہے۔ مغل سرکوبی کے بعد انگریزوں کو نہ صرف معافی مانگنی پڑی بلکہ دوبارہ تجارت کی اجازت بھی درخواست کے بعد ملی۔ عالمگیر کے پورے عہد

میں برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کو سیاسی یا فوجی رسوخ حاصل نہ ہو سکا اور اس کی حیثیت محض ایک محتاط تجارتی ادارے کی رہی- تاہم اس کے فوراً بعد کمپنی نے بمبئی، مدراس اور کلکتہ جیسے ساحلی مراکز میں قدم جمانے کی سنجیدہ کوششیں کیں اور یہی مراکز تھے جو بعد ازاں ہندوستان میں برطانوی اقتدار کے قلعے ثابت ہوئے-

اورنگزیب کے بعد کمپنی کا اثر و رسوخ اتنا بڑھ گیا کہ بالآخر جب دلی میں محمد شاہ رنگیلا کا دور تھا، اُدھر بنگال میں نواب سراج الدولہ کو انگریزوں نے دھوکے سے شکست دی اور بنگال چھین لیا- یہ پہلی بڑی واردات تھی جو ایسٹ انڈیا کمپنی نے کر ڈالی- 1757ء میں، پلاسی کے مقام پر انگریزوں اور نواب سراج الدولہ کی فوج کے درمیان جنگ ہوئی- نواب سراج الدولہ کے سپہ سالار میر جعفر نے غداری کی، جس کے نتیجے میں ہندوستان میں انگریزوں کی پہلی ریاست وجود میں آگئی- اس سب کے باوجود ہندوستانی مسلم قوم میں ابھی احساس کمتری پیدا نہیں ہوا تھا- خصوصاً مسلمان ابھی تک پدرم سلطان بود کا شکار تھے- فرقہ پرستی میں غرق تھے-

جب انگریز نے بنگال لے لیا تو انہیں دیوانی حقوق مل گئے- چنانچہ کلکتہ کی عدالت کے ایک جواں سال انگریز سیشن جج، جس کا نام ولیم جونز تھا، نے وہاں رائل ایشیاٹک سوسائٹی کا آغاز کیا- یہ سوسائٹی ہندوستانیوں کے علوم و فنون کے مطالعہ کے لیے بنائی گئی تھی- ولیم جونز کی نگرانی میں یہاں سے مستشرقین کی ایک جماعت تیار ہو کر نکلی جس نے بعد ازاں پورے ہندوستان کے مستقبل کو اپنے بیانیے کی مدد سے ساخت کیا-

یہاں ایک اہم نکتہ سمجھنا ضروری ہے تاکہ ہندوستانی مسلمانوں کی اس ٹرانسفارمیشن کو سامنے لایا جا سکے جو ایک فعال خودی سے ایک غیر فعال خودی تک پیش آئی- ہم پچھلے ہزار سال کی تاریخ پر نظر دوڑائیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ مستشرقین کی واضح طور پر دو قسمیں- ایک وہ جو مسلمانوں کے عہد عروج میں مشرق آیا کرتے تھے اور دوسرے وہ جو مسلمانوں کے عہدِ زوال میں مشرق آیا کرتے تھے- وہ جو مسلمانوں کے دور عروج میں مشرق آیا کرتے تھے، ان میں گیارھویں صدی سے لے کر سولہویں صدی تک مشرق آنے والے مغربی سیاح شامل ہیں- مثلاً یہ مارکو پولو سے واسکوڈے گاما تک چھ صدیوں پر محیط سیاحت ہے، جس کا تذکرہ تاریخ یورپ میں ملتا ہے- جبکہ دوسرے عہد کے مستشرقین انگریزی استعمار کے عہد میں یہاں وارد ہوئے، جن میں سب سے بڑا نام سر ولیم جونز کا ہے- ولیم جونز کی تیار کردہ جماعت نے فورٹ ولیم کالج کی بنیاد رکھی، جہاں ہندوستانی علوم کو بغرض افادہ جاری کیا گیا-

سید سلمان ندوی کے بقول یہ دو طرح کے رویے تھے- پہلے رویے کو انہوں نے استفادے کا نام دیا اور دوسرے کو افادے کا- یعنی وہ مستشرقین جو مسلمانوں کے عہد ہائے حکومت میں مشرق کے اسفار کیا کرتے تھے، وہ استفادے کے لیے آتے تھے لیکن ولیم جونز کی جماعت کا مقصود افادہ تھا- استفادے اور افادے میں فرق یہ ہے کہ جب آپ استفادہ کرتے ہیں تو جس کسی سے آپ کو فائدہ ملتا ہے، اس کا رتبہ تسلیم کرتے ہوئے آپ اس سے کچھ حاصل کرتے ہیں- آپ پہلے اسے خود سے بڑا اور عظیم مانتے ہیں، تب آپ اس کے علوم و فنون سے استفادہ کرتے ہیں-

جبکہ افادے میں آپ کسی اور احسان کا نہیں مانتے، بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے علوم حاصل کر کے آپ انہی پر احسان کر رہے ہیں- سلمان ندوی کے بقول وہ مستشرقین جو بغداد سے دلی کے زمانے تک مشرق کے مسلم ممالک میں آئے انہوں نے مشرقی علوم سے استفادہ کیا- جبکہ ولیم جونز کی جماعت نے، حاکمیت اور مفاد پرستی کے جذبے سے ہندوستانی علوم و فنون پر قلم اُٹھایا- یہی وجہ ہے کہ اس نے ہندوستانی

علوم وفنون کی توہین اور جنگ کی تا کہ ان کی ہندوستانی رعایا، اُن کی سائنس اور ٹیکنالوجی کے مقابلے میں اپنے ماضی پر شرمسار ہو جائے اور خود کو نااہل تصور کرنے لگے۔

مثلاً جنگِ پلاسی 1757ء میں لڑی گئی اور انگریزوں کی پہلی ریاست وجود میں آئی۔ اس سے صرف 18 برس پہلے رچرڈ پار کر کالب ولہجہ استفادہ پسند مستشرق کالب ولہجہ ہے۔ لیکن جنگِ پلاسی کے بعد جب ولیم جونز آتا ہے، تو وہ ایک غالب اور فاتح، افادہ پسند مستشرق کے لہجے میں بات کرتا ہے۔ مثلاً جنگِ پلاسی سے اٹھارہ سال پہلے رچرڈ پار کر لکھتا ہے،

"اگر ہماری جہالت ہمیں ان سے محروم نہ رکھے تو ہم مسلمانوں سے بڑے فوائد حاصل کرسکتے ہیں--- مشرق نہ صرف مذہب بلکہ فطری علوم (سائنس) کا منبع ہے۔ مشرق کا میلان ان دونوں کی ترقی ہے"۔

جنگِ پلاسی سے صرف 25 برس بعد ولیم جونز لکھتا ہے کہ:

"ہندوستانیوں کے تمام علوم لغو ہیں"۔

وہ یورپ کو ایک شہزادی کہہ کر پکارتا ہے اور ایشیا کو اس کی کنیز۔ ولیم جونز کے الفاظ دیکھیے!

"جس کسی نے ایشیا کا سفر کیا ہے، خصوصاً وہ شخص جو ان ملکوں کے ادب سے واقف ہو، وہ فطری طور پر یورپی ذہانت کا ذکر کرے گا۔ مثلاً مشاہدہ جو انتہائی پرانا ہے، جتنا سکندرِ اعظم۔ اگرچہ ہم اس آرزو مند شہزادے (سکندر) کے استاد سے اتفاق نہیں کرسکتے جس نے کہا کہ 'ایشیا کے لوگ پیدا ہی غلام ہونے کے لیے ہوئے ہیں'۔ تاہم ایتھنز کا شاعر بالکل صحیح کہتا ہے کہ 'یورپ خود مختار شہزادی ہے اور ایشیا گھریلو خادمہ ہے'۔ لیکن اگر مالکن غیر معمولی جلال والی ہو تو اس میں کیا شک ہے کہ نوکرانی کے پاس جمال ہوگا اور کچھ خصوصی مراعات بھی اس کو حاصل ہوں گی"۔

یعنی (ڈاکٹر ناصر عباس نیر کے الفاظ میں) "اگر مشرق، مغرب سے عشق باقی رکھتا ہے تو یہ حسن باقی رہ سکتا ہے ورنہ نہیں"۔

یہاں ولیم جونز نے ایک تو ارسطو پر جھوٹا الزام باندھا ہے کیونکہ بعد میں محققین نے یہ ثابت کیا کہ ارسطو نے ایسی کوئی بات کہیں نہیں لکھی۔ دوسرا یہ کہ اس نے ہندوستانی مسلمانوں کے ماضی اور اپنے ماضی، دونوں کے بارے میں کذب بیانی سے کام لیا۔ کیونکہ اگر مسلمانوں کا ماضی شرمناک ہوتا تو ولیم جونز کے متقدمین یعنی اس سے پہلے آنے والے مستشرقین نے یہ اعتراف نہ کیا ہوتا کہ مسلمانوں کا ماضی شاندار تھا۔ ولیم جونز سے صرف 50 برس پہلے رچرڈ پار کر مسلم تہذیب کی عظمت کو تسلیم کر رہا ہے۔ اسی طرح ولیم جونز نے اپنے ماضی کے بارے میں بھی کذب بیانی سے کام لیا، کیونکہ رابرٹ بریفالٹ اور ولیم ڈریپر نے یورپ کے تاریک ماضی کے بیان میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

ڈاکٹر غلام جیلانی برق، "یورپ پر اسلام کے احسانات" میں رابرٹ بریفالٹ اور ولیم ڈریپر کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ۔ یورپ سرتاسر جہالت میں غرق تھا۔ 1030ء تک دریائے ساؤن کے کنارے انسانی گوشت بیچنے کی کتنی ہی دکانیں تھیں۔ برطانیہ میں کنٹربری کا لاٹ پادری جب درشن کے لیے چرچ کی بارہ دری میں نمودار ہوتا تو اس کی قبا پر سینکڑوں جوئیں چل رہی ہوتی تھیں۔ لندن میں لوگوں کو مکان بنانے کی تمیز نہیں تھی، اس لیے کئی مکان ایسے بنائے جاتے تھے کہ دوسرے گھروں کا راستہ روک لیتے۔ لوگ گھروں کے سامنے پاخانہ کرتے اور جس پانی سے کلیاں کرتے اسی سے ہاتھ منہ دھوتے تھے۔

اسی طرح اگر ولیم جونز کے بقول، یورپ ایک شہزادی ہوتی تو ابنِ خلدون اُن کے بارے میں کبھی یہ نہ لکھتا کہ:

"یہ سب ایسے ہیں جو اپنی گردنوں میں غلامی کا پٹہ ڈال کر کوئی عہدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں یا مال سمیٹنا چاہتے ہیں یا مقام کے بھوکے ہیں جیسے مشرق میں ترکی ممالک۔ اسی طرح جلالقہ کے گنواروں کا اور 'فرنگیوں' (انگریزوں) کا حال ہے۔ کیونکہ ان کی عادات میں حکومت کو اپنے خلوص کا ثبوت فراہم کرنا داخل ہے۔ اس لیے یہ غلامی

سے نہیں شرماتے- کیونکہ اس طرح حکومت ان کو چُن لے گی اور انہیں عزت اور بلندی نصیب ہو گی"-

یعنی ولیم جونز کی ساری بات ہی غلط بیانی ہے اور یہی اس عہد کے تمام مستشرقین کے قلم سے نکل رہا تھا- نو آبادیاتی عہد کے مشہور نقاد فرینٹز فینن (Frantz Fanon) کے مطابق کوئی بھی استعمار ایسا اس لیے کرتا ہے تاکہ وہ اس خطے کے عوام میں احساس کمتری کا بیج بو کر بے یقینی کا پھل کاٹ سکے، جس پر اس کا غاصبانہ قبضہ ہے-

چنانچہ ولیم جونز اور اس کی جماعت نے پورے شدومد کے ساتھ کتابیں، مضامین اور مقالے لکھے- ولیم جونز کے ہی ایک، فکری خلف الرشید کا نام لارڈ میکالے ہے- لارڈ میکالے نے نو آبادیاتی عہد کے ہندوستان کا تعلیمی نظام تشکیل دیا- یہی (میٹرک، ایف اے والا) نظامِ تعلیم آج بھی ہندوستان اور پاکستان میں رائج ہے- ایک موقع پر جب تجویز آئی کہ ہندوستانیوں کو اُن کے علوم اُنہی کے طریقے سے پڑھائے جائیں نہ کہ مغربی سرمایہ دارانہ نظام تعلیم کے تحت- تو لارڈ میکالے نے جواب میں لکھا:

"میں یہ کیسے تسلیم کروں کہ ایک ارفع ذہنی کارکردگی کی حامل قوم، ایک مقابلتاً جاہل قوم کو علم و ہنر سکھانا چاہتی ہے تو سکھانے کا طریقہ وہ اُس جاہل قوم سے سیکھے، جسے ابھی علم سکھانا ہے"-

انگریز استعمار کے رعونت آمیز رویے اور مسلمانوں کی مسلسل تذلیل کے عمل نے آخر کار ہندوستانی مسلمانوں کو مایوسی کے دلدل میں دھکیلنا شروع کر ہی دیا- وہ مسلم اشرافیہ جو کبھی ملوک التجار کہلاتی تھی، معذرت خواہانہ لجاجت کا شکار ہونے لگی- 1857ء کی جنگِ آزادی میں مسلمانوں کی نمائشی سلطنت بھی ختم ہو گئی- دلی تباہ کر دی گئی- شہر فتح ہوتے ہی جنرل جان نکلسن، جنرل ولیمسن اور میجر ولیم ہڈسن جیسے برطانوی افسران نے دہلی کے عام شہریوں پر اندھا دھند گولہ باری کروائی اور محض مسلمان ہونے کے شبے میں ہزاروں افراد کو بغیر کسی مقدمے کے قتل کر دیا گیا- جو لوگ مغل شاہی خاندان سے منسلک تھے یا جن پر محض ہمدردی کا شبہ بھی تھا، چاہے وہ علما ہوں، شعرا، درباری، یا عام شہری، سب کو چُن چُن کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا- دہلی کے بیشتر مسلمان خاندانوں کے مکانات کو لوٹا گیا، پھر آگ لگا دی گئی- سینکڑوں خاندان بے دخل ہوئے اور ایک محتاط اندازے کے مطابق شہر کی آبادی نصف سے بھی کم رہ گئی- جامع مسجد، لال قلعہ، اور دیگر تاریخی عمارات کو فوجی چھاؤنیاں یا گھوڑوں کے اصطبل بنا دیا گیا- علماء و صوفیاء بھی اس انتقام سے محفوظ نہ رہے- اخبار دہلی کے مدیر اور ممتاز عالم دین مولوی محمد باقر کو سر عام گولی مار کر شہید کیا گیا- دیگر علماء کو یا تو قید میں ڈال کر مار دیا گیا یا پھانسی دی گئی- ولی دکنی کے مزار کو بھی بے حرمتی سے فوجی اصطبل بنا دیا گیا- مساجد اور مدارس کی بے حرمتی کا یہ عالم تھا کہ ان میں قرآن مجید کی توہین تک کی گئی- خود مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو ہمایوں کے مقبرے سے میجر ہڈسن نے گرفتار کیا- ان کے بیٹوں، مرزا مغل، مرزا خضر سلطان اور پوتے کو مقبرے کے سامنے ننگا کر کے گولی مار دی گئی اور ان کی لاشیں لال قلعے کے دروازے پر لٹکا دی گئیں تاکہ دہلی کے لوگوں پر دہشت طاری ہو- بہادر شاہ ظفر پر بغاوت کا مقدمہ چلا اور انہیں "غدار" قرار دے کر 1858ء میں برما (موجودہ میانمار) کے شہر رنگون جلاوطن کر دیا گیا، جہاں وہ 1862ء میں انتہائی مظلومیت اور تنہائی کے عالم میں 87 برس کی عمر میں انتقال کر گئے- ان کی بے بسی اور محرومی کا عکاس ان کا یہ مشہور شعر ہے:

کتنا ہے بدنصیب ظفرؔ دفن کے لیے
دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں

1857ء کے بعد مسلمانوں کے لب و لہجے میں وہ دم خم بالکل ہی مفقود ہو گیا جو اس سے قبل کبھی کبھار نظر آ جاتا تھا اور جس کے سبب ہی جنگِ آزادی لڑی گئی تھی- دلی کی تباہی کے بعد مسلمان اہلِ قلم بے حد محتاط ہو گئے- اپنے ماضی پر شرمندگی کا وہ احساس جو ولیم جونز اور اس کی بیانیہ ساز جماعت نے 100 برس سے آزمانا شروع کر رکھا تھا اور اس میں انہیں مسلسل ناکامی ہو رہی تھی، یکایک پوری قوت سے مسلمانوں پر

طاری ہو گیا- یہ اقبال کی پیدائش سے صرف 20 برس پہلے کی حالت ہے- 1857ء کے بعد مسلمانوں کی معذرت خواہانہ اور عاجزانہ آوازوں میں سب سے بلند اور پُر اثر آواز سر سید احمد خان کی تھی- اب سر سید احمد خان گویا ولیم جونز کے بیانیے کی تائید پر بہ اصرار کمربستہ تھے- اسی طرح سر سید احمد خان لارڈ میکالے کو ہندوستانیوں کے لیے گویا خدا کی نعمت سمجھتے تھے- میکالے کے بارے میں سر سید لکھتے ہیں:

"اہل ہند کی بدنصیبی کا یہ دور 1835ء تک نہایت استحکام سے قائم رہا- آخر کار ایک نیک اور سچا مدبر یعنی لارڈ میکالے ہندوستان میں پیدا ہوا جو اس زمانے میں ہندوستان کی تعلیم کے بورڈ کا میر مجلس تھا اس نے دھوکا دینے والے طریقہ تعلیم کو اعلانیہ ناپسند کیا"-

الغرض! جب استعمار کاروں نے قصداً استعمار زدگان کے دلوں میں احساسِ کمتری کا زہر انڈیلنا شروع کیا تو صرف ایک صدی لگی اور مسلمان یہ سمجھنے لگ گئے کہ ان کا ماضی بھی ان کے حال کی طرح شرمناک ہے- کسی قوم کی روح کو تباہ کرنے کے لیے اس کے ماضی کو شرمناک ثابت کرنے سے بڑھ کر کوئی اسلحہ نہیں ہو سکتا- سر سید کی نیت جو بھی رہی ہو، لیکن تاریخ نے ثابت کیا کہ ان کا یہ خیال کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی بقا اسی میں ہے کہ وہ اپنے ماضی کو بھول جائیں اور سرتاپا انگریز بن جائیں ورنہ فنا ہو جائیں گے، پوری طرح درست نہیں تھا- سر سید لکھتے ہیں:

"اگر ہم اپنی اصلی ترقی چاہتے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی مادری زبان تک بھول جائیں- تمام مشرقی علوم کو نسیاً منسیاً کر دیں- ہماری زبان یورپ کی اعلیٰ زبانوں میں سے انگلش یا فرنچ ہو جائے- یورپ ہی کے ترقی یافتہ علوم دن رات ہمارے دست مال ہوں- ہمارے دل و دماغ یورپین خیالات سے بجز مذہب کے لبریز ہوں"-

الغرض! یہ تھا وہ پس منظر جس کی وجہ سے ہندوستانی مسلمان اوّل اوّل بے یقینی کی نفسیاتی بیماری میں مبتلا ہوئے- ایک وقت تھا جب بغداد پر ہلاکو خان نے حملہ کر کے اہل بغداد کو غلام بنا لیا تھا- لیکن پھر کچھ ہی وقت میں قابض حکمران تاتاریوں نے محسوس کیا کہ مسلمان ان سے زیادہ تہذیب یافتہ ہیں- چنانچہ انہوں نے فاتح ہو کر بھی مسلمانوں کی تہذیب کو اپنانا پسند کیا- اقبال نے یہی بات ایک شعر میں کہی ہے:

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

لیکن ہندوستان میں اس کے برعکس ہوا- قابض قوم کی تہذیب ہم پر غالب آگئی- وجہ کیا تھی؟ اس میں شک نہیں کہ انگریز اس عہد میں علمی اور سائنسی اعتبار سے ہم سے بہت آگے تھے- لیکن کیا فقط یہی وجہ تھی اور ہم ان کے علم اور ٹیکنالوجی کی چکا چوند سے متاثر ہو کر مغربی بیانیے کا شکار ہوئے؟ یقیناً نہیں، کیونکہ تاریخ میں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ جب کوئی مغلوب قوم اپنے آقاؤں کی تہذیب قبول نہیں کرتی- مثلاً بنی اسرائیل کئی مرتبہ مغلوب ہوئے، بخت نصر نے انہیں غلام بنایا، فرعون مصر نے انہیں غلام بنایا، لیکن وہ کبھی بھی کسی فاتح یا غالب سے مرعوب نہیں ہوئے- مصر میں بنی اسرائیل شہر کے سب سے نچلے درجے کے لوگ تھے- زیادہ تر سطحی تعمیرات کیلئے اینٹیں تھاپنے کا کام کرتے تھے- جبکہ مصر کی تہذیب اس وقت اپنے عروج پر تھی- مصر میں علوم و حکمت کے دریا بہتے تھے- حتیٰ کہ یونانی بھی مصریوں سے علوم سیکھ رہے تھے- ایسے عالم میں اتنی صدیوں تک غلام رہنے کے باوجود بنی اسرائیل نے کیوں نہ غالب قوم کی تہذیب اختیار کر لی؟ کیونکہ عہد غلامی میں بھی انہیں اپنے ماضی پر ہمیشہ فخر رہا- وہ غلام ہو کر بھی مرعوب نہ ہوئے اور خود کو برتر سمجھتے رہے-

لیکن ہندوستانی مسلمانوں نے اپنی تہذیبی اقدار اور اپنے ماضی سے شرمانا سیکھ لیا تھا- یہاں تک کہ مسلمانوں کے وہ بزرگ جو ابھی تک اپنے ماضی کی عظمت بیان کر رہے تھے، ان کے لہجے میں بھی احساسِ کمتری در آیا تھا- لیکن ان لہجوں میں جب اقبال کا لہجہ نمودار ہوا تو وہ تو بالکل مختلف تھا-

علامہ اقبال اور مسلم نشاۃِ ثانیہ کا خواب:

اقبال کے لہجے میں ایک داعیانہ شان تھی- اقبال نے جب علی گڑھ کالج کے طلبہ کے نام نظم لکھی تو کہا:

> اوروں کا ہے پیام اور، میرا پیام اور ہے
> عشق کے دردمند کا طرزِ کلام اور ہے
> "طائرِ زیرِ دام" کے نالے تو سن چکے ہو تم
> یہ بھی سنو کہ نالۂ "طائرِ بام" اور ہے

طائرِ زیرِ دام سے مراد فرنگی تہذیب کے جال میں پھنس جانے والا غلام پرندہ ہے جبکہ طائرِ بام سے مراد ہے اسلام کی عظیم تہذیب کی دیوار پہ بیٹھا آزاد پرندہ- اقبال نے آغازِ جوانی سے ہی قوم کی ٹھیک ٹھیک نبض شناسی کر لی تھی- وہ جان گئے تھے کہ تمام تر مسئلہ احساسِ کمتری کا ہے اور یہی احساسِ کمتری قومی بے یقینی کا سبب ہے- چنانچہ اقبال نے 1904ء میں "قومی زندگی" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تو اس میں گویا قوم کے مرض کی پوری پوری تشخیص کر دی- بنی اسرائیل کا حوالہ دیتے ہوئے یہ بھی لکھا کہ بنی اسرائیل کو کئی مرتبہ غلام بنایا گیا- ان سے ان کا وطن کئی بار چھینا گیا- لیکن بطور قوم وہ کبھی ختم نہیں ہوئے- اس کے برعکس وہ ہمیشہ سرفراز رہے اور دیگر اقوام ان کی مقروض رہیں- صاف ظاہر ہے انہوں نے اپنے آپ کو معاشی طور پر کمزور ہونے سے بچائے رکھا اور صاف ظاہر ہے ایسا وہ اپنے احساسِ تفاخر کی وجہ سے کر پائے- اس کے بعد اقبال نے ہندوستانی مسلمانوں کا حال لکھتے ہوئے لکھا:

"اپنے مکان کے اسباب آرائش ہی دیکھو تو معلوم ہو جائے گا کہ ذرا ذرا سی بات کے لیے ہم اقوام غیر کے محتاج ہیں اور روز بروز ہوتے جاتے ہیں- آپ کا لیمپ جرمنی میں بنا ہے- اس کی چمنی آسٹریلیا میں تیار ہوئی ہے- اس کا تیل روس سے آیا ہے اور گندھک کی سلائی جس سے یہ لیمپ روشن کیا جاتا ہے سویڈن یا جاپان سے پہنچی ہے- کلاک جو آپ کی نشست گاہ کی دیوار پر آویزاں ہے، امریکہ کے کارخانوں میں تیار ہوا تھا- اور وہ چھوٹی سی گھڑی جو آپ کی جیب میں ٹک ٹک کر رہی ہے جنیوا کے کاریگروں کی صنعت کا نمونہ ہے"-

یہ مضمون اقبال کی آنے والی تمام تر زندگی کا "اپنشد" ہے- اسی مضمون میں پہلی بار اقبال نے مرض کا حل بھی تجویز کیا اور کہا کہ:

"ان حالات کو مدِ نظر رکھ کر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہندوستانیوں اور خصوصاً مسلمانوں کو تعلیم کی تمام شاخوں سے زیادہ صنعت کی تعلیم پر زور دینا چاہیے- واقعات کی رُو سے میں یہ بات وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ جو قوم تعلیم کی اس نہایت ضروری شاخ کی طرف توجہ نہ کرے گی وہ یقیناً ذلیل و خوار ہوتی جائے گی- یہاں تک کہ صفحۂ ہستی پر اس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا- لیکن افسوس ہے کہ مسلمان بالخصوص اس سے غافل ہیں اور مجھے اندیشہ ہے کہ وہ اپنی غفلت کا خمیازہ نہ اُٹھائیں"-

اقبال کا انفراد یہ ہے کہ اس نے بنیادی طور پر اس طبقے کو اپنا مخاطب بنایا جو محنت کش تھا- اقبال نے ایسا اس لیے کیا کہ یہی زمانہ تھا جب احساسِ کمتری کے مارے ہوئے عامۃ الناس کو اشتراکیت کی جانب سے اُمید کی کرنیں نظر آ رہی تھیں- انگریزی استعمار سے متنفر نچلا طبقہ جو نہ تو قابلِ انتخاب (Electable) کی فہرست میں آتا تھا اور نہ ہی اسے سرکاری نوکریاں میسر تھیں، تیزی کے ساتھ اشتراکی نعرے کا شکار ہو رہا تھا- اقبال نے بھانپ لیا کہ اگر قوم کو اپنے پاؤں پر واپس کھڑا کرنا ہے تو اس کے اکابرین کو مخاطب کرنے کی بجائے اس کے عامۃ الناس کو براہِ راست مخاطب کیا جائے- کیونکہ اقبال کے نزدیک اگر قومی زندگی کی کچھ رمق ابھی باقی تھی تو وہ نچلے طبقے کے مسلمانوں میں باقی تھی- چنانچہ اقبال نے اپنے لکھاریوں کو بروقت بیدار کرنے کے لیے مسلسل لکھنا شروع کر دیا- 1917ء میں اقبال نے "رسالت مآب (ﷺ) کا ادبی تبصرہ" کے عنوان سے ایک مضمون اسی نیت سے لکھا، جس

میں مسلمان شعراء اور ادیبوں کو رسالت مآب (ﷺ) کے پسندیدہ شعروادب کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔

اس مضمون میں اقبال نے رسالت مآب (ﷺ) کا نظریہ شعر بیان کیا۔رسول اطہر (ﷺ) نے دو شاعروں پر تبصرہ فرمایا۔ امرآ القیس کے بارے میں فرمایا کہ ۔اشعر الشعرأ وقائدھم الی النار۔یعنی وہ شاعروں کا تو سرتاج ہے لیکن شعراء کو اپنے ساتھ جہنم میں بھی لے کر جارہا ہے۔ اقبال کے بقول رسالت مآب (ﷺ) نے ایسا اس لیے فرمایا کیونکہ "امراء القیس قوتِ ارادی کو جنبش میں لانے کی بجائے اپنے سامعین کے تخیل پر جادو کے ڈورے ڈالتا ہے اور ان میں بجائے ہوشیاری کے بے خودی کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے"۔

اقبال نے مزید لکھا کہ:

"رسول اللہ (ﷺ) نے اپنی حکیمانہ تنقید میں فنون لطیفہ کے اس اہم اصول کی توضیح فرمائی ہے کہ صنائع و بدائع کے محاسن اور انسانی زندگی کے محاسن، کچھ ضروری نہیں کہ یہ دونوں ایک ہی ہوں۔ یہ ممکن ہے کہ شاعر بہت اچھا شعر کہے لیکن وہی شعر، پڑھنے والے کو اعلیٰ علیین کی سیر کرانے کی بجائے اسفل سافلین کا تماشا دکھادے۔ شاعری در اصل ساحری ہے اور اس شاعر پر حیف ہے جو قومی زندگی کی مشکلات و امتحانات میں دلفریبی کی شان پیدا کرنے کی بجائے، فرسودگی و انحطاط کو صحت اور قوت کی تصویر بناکر دکھا دے اور اس طور پر اپنی قوم کو ہلاکت کی طرف لے جائے۔ اس کا تو فرض ہے کہ قدرت کی لازوال دولتوں میں سے زندگی اور قوت کا جو حصہ اسے دکھایا گیا ہے، اس میں اوروں کو بھی شریک کرے، نہ یہ کہ اٹھائی گیرہ بن کر جو رہی سہی پونجی ان کے پاس ہے اس کو بھی ہتھیا لے"۔

اس کے برعکس قبیلہ بنو عبس کے شاعر عنترہ کے بارے میں رسول اطہر (ﷺ) نے فرمایا کہ "اسے دیکھنے کو میرا دل بے اختیار چاہتا ہے"۔اقبال نے رسالت مآب (ﷺ) کے، ایک بُت پرست عرب شاعر کے لیے ایسے والہانہ شوق ملاقات پر خوشگوار حیرت کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"اللہ اکبر! توحید کا وہ فرزند اعظم (ﷺ) جن کے چہرۂ مبارک پر ایک نظر ڈال لینا نظارگیوں کیلئے دنیوی برکت اور اخروی نجات کی دوگونہ سرمایہ اندوزی کا ذریعہ تھا خود ایک بت پرست عرب سے ملنے کا شوق ظاہر کرتا ہے کہ اس عرب نے اپنے شعر میں ایسی کون سی بات کہی تھی"۔

پھر اقبال نے خود وضاحت کرتے ہوئے لکھا کہ:

"حضور خواجۂ دوجہاں (ﷺ) نے جو اس قدر شعر کی تعریف فرمائی اس سے صنعت کے ایک دوسرے بڑے اصول کی شرح ہوتی ہے کہ صنعت حیاتِ انسانی کے تابع ہے اس پر فوقیت نہیں رکھتی"۔

دراصل عنترہ کی شاعری میں زندگی کی مشکلات کا ایک شانِ دلفریبی کے ساتھ ذکر تھا نہ کہ مایوسی اور کرب وجود کے اظہار کے ساتھ۔پھر اپنے مضمون کے آخر میں اقبال لکھتے ہیں:

"تمام وہ باتیں جن کی وجہ سے ہم جاگتے جاگتے اونگھنے لگیں اور جو جیتی جاگتی حقیقتیں ہمارے گردو پیش میں موجود ہیں (کہ انہی پر غلبہ پانے کا نام زندگی ہے)، ان کی طرف سے آنکھوں پر پٹی باندھ لیں، انحطاط اور موت کا پیغام ہے۔صنعت گر کو پنپا بیگم کے حلقہ عشاق میں داخل نہ ہونا چاہیے۔مصور فطرت کو اپنی رنگ آرائیوں کا اعجاز دکھانے کے لیے افیون کی چسکی سے احتراز واجب ہے۔ یہ پیش پا افتادہ فقرہ جس سے ہمارے کانوں کی آئے دن تواضع کی جاتی ہے کہ کمال صنعت اپنی غایت آپ ہے۔انفرادی، اجتماعی انحطاط کا ایک عیارانہ حیلہ ہے جو اس لیے تراشا گیا ہے کہ ہم سے زندگی اور قوت، دھوکا دے کر چھین لی جائے۔غرض یہ کہ رسول اللہ (ﷺ) کے وجدانِ حقیقی نے عنترہ کے شعر کی خوبیوں کا جو اعتراف کیا، اس نے اصل الاصول کی بنیاد ڈال دی کہ صنعت کے ہر کمال کی صحیح ارتقا کیا ہونی چاہیے"۔

الغرض! اقبال نے ہر طریقہ اختیار کیا اور دوسروں کو بھی ہر طریقہ اختیار کرنے پر آمادہ کرنے کی کوششیں کیں کہ نوجوان ہندوستانی مسلم کچھ تدبر کرے اور یہ سوچے کہ وہ کس "گردوں کا ٹوٹا ہوا ستارہ" تھا اور پھر جب اسرار خودی کی اشاعت ہوئی تو صرف ہندوستان میں ہی نہیں انگلستان میں بھی اقبال کے اس نئے اور منفرد لب ولہجے کی گونج پہنچی جس میں نہایت دو ٹوک الفاظ میں یہ بتایا گیا تھا کہ مفاہمت، قبولیت، تابعداری، معافی، نرمی اور کائنات سے دوستی کی باتیں کرنے والے تمام نظریات بنیادی طور پر نخچیر (prey) کی اخلاقیات ہے- مجبوروں کی یہ اخلاقیات اس تفاوت کی وجہ سے ہے، جو ہر نخچیر نے جان رکھا ہے کہ ہر شکاری (predator) اس کا دشمن ہے- نخچیر کا تناظر بائنری ہے- اسے ہر جھاڑی کے پیچھے اپنا دشمن دکھائی دیتا ہے- اس کے لیے یہ دنیا بلیک اینڈ وائٹ ہے- وہ اپنے بچوں کو محفوظ رہنے کا درس دیتا ہے- اسے شکاریوں کے ظلم سے بچنے کے طریقے سکھاتا ہے- اس کے برعکس صیاد (predator) کی اخلاقیات بالکل مختلف ہے- اس کا شکار اس کا دشمن نہیں بلکہ وہ اس کی حفاظت میں ہے- وہ مملوک نہیں خود مالک ہے- اسے دنیا بائنری میں نظر نہیں آتی، کیونکہ جھاڑیوں کے پیچھے اس کا کوئی دشمن نہیں چھپا ہوا- وہ بلیک اینڈ وائٹ میں نہیں سوچ سکتا- وہ اپنے بچوں کو سکھاتا ہے کہ باہر کی دنیا ان کا گھر ہے- وہ آزاد ہیں، جہاں چاہیں گھومیں، جو چاہیں کھائیں، لیکن اسراف حرام ہے "**کلوا واشربوا ولا تسرفوا**"- وہ اپنے بچوں کو باقی شکاریوں کے ظلم سے بچنے کے طریقے نہیں سکھاتا، بلکہ یہ سکھاتا ہے کہ تم نے خود ظلم نہیں کرنا- تمہارے ہاتھ اور زبان سے تمام سلامتی پسند محفوظ رہیں- نخچیر مملوک ہے، لیکن صیاد مالک ہے- مثلاً شاہین اپنے آپ کو آسمان کا مالک سمجھتا ہے لیکن وہ خود پر ضرورت سے زیادہ شکار کو حرام سمجھتا ہے-

یہ تاثر تھا جو "خودی کے راز" کے طور پر اقبال نے اسرارِ خودی (Secrets of Self) میں پیش کیا اور صرف اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ ہر اُس تصوف کو آڑے ہاتھوں لیا جو خودی کی نفی کا سبق دیتا تھا- اور اس کے ساتھ اس ملائیت کو بھی آڑے ہاتھوں لیا جو ملوکیت سے مراعات و مناصب لینے کیلئے عوام کا استحصال کرتی ہے-

پہلی جنگِ عظیم کے بعد اقبال بھانپ گئے تھے کہ برطانیہ اب دیر تک دنیا کی سپر پاور نہیں رہے گا- وہ یہ بھی بھانپ گئے تھے کہ برطانیہ کی کالونیوں میں اب بڑے پیمانے پر سیاسی تبدیلیاں رونما ہونے والی ہیں- پیام مشرق کے دیباچے میں اقبال نے برطانیہ ہی نہیں پورے یورپ کے، مستقبل میں عجمیت کا شکار ہو جانے کی پیشگوئی کی تھی، جو اب حرف بحرف درست معلوم ہوتی ہے- اسی سیاسی بصیرت کی روشنی میں اقبال نے جان لیا تھا کہ جلد ہی ہندوستان کے مسلمانوں کے سامنے قومی شناخت کا مسئلہ پیش آنے والا ہے-

اس پر مستزاد کانگرس سے منسلک مسلمان علماً خصوصاً مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حسین احمد مدنی اپنے مؤقف کا اظہار کر چکے تھے جو مشترکہ ہندوستانی قومیت کا مؤقف تھا- اقبال اپنے نظریۂ خودی کی وجہ سے ایسے شنکری وجودیت (متحدہ قومیت) کو کیونکر قبول کر سکتے تھے چنانچہ انہوں نے عمر کے آخری چند برس گویا مسلم قومی شناخت کی جنگ لڑتے ہوئے گزارے- کانگریسی ملاؤں کا نظریہ یہ تھا کہ قومیت مذہب سے نہیں ہوتی، بلکہ وطن سے ہوتی ہے، بالفاظ دیگر وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ ہماری قومیت ہندوستانی ہے نہ کہ مسلمان- شنکر اچاریہ کی وجودیت کے تحت ایک مولانا نے دلّی کے ایک اجتماع میں جب اسی نظریہ کا اعادہ کیا اور کہا کہ:

"فی زمانہ قومیں اوطان سے بنتی ہیں"-

علامہ اقبال اس قدر ناراض ہوئے کہ انہوں نے مندرجہ ذیل اشعار کہے:

عجم ہنوز نداند رموز دیں، ورنہ
ز دیوبند حسین احمد! ایں چہ بوالعجبی است
سرود بر سرِ منبر کہ ملّت از وطن است
چہ بے خبر ز مقام محمدؐ عربی است
بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی، تمام بولہبی است

ان اشعار کا اردو میں مفہوم کچھ یوں ہے کہ، عجم (یعنی اہل ہند) کو ابھی تک دین کے رموز کا علم نہیں ہے کیونکہ مولانا حسین احمد مدنی جو دیوبند کے عالم ہیں، انہوں نے منبر پر بیٹھ کر یہ کہا ہے کہ "ملتیں وطن سے بنتی ہیں"، یہ تو مقام محمد عربی (ﷺ) سے بے خبری کا ثبوت ہے- دین وہی ہے جو آپ کو محمد مصطفےٰ (ﷺ) تک پہنچائے- اگر آپ وہاں تک نہیں پہنچ پاتے تو پھر باقی سب ابولہب کا راستہ ہے، دین کا نہیں-

ان اشعار کی شہرت ہوئی تو طالوت نامی ایک شخص نے مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ سے ایک خط کے ذریعے وضاحت مانگی- مولانا مدنی نے جو جواب دیا، وہی جواب طالوت نے علامہ اقبال کو بھیجا اور یوں ایک بحث شروع ہوئی جسے تاریخ میں "معرکۂ دین وطن" کے نام سے جانا جاتا ہے- ان خطوط میں مولانا مدنی نے جو موقف اختیار کیا وہ درج ذیل تھا:

قران کریم میں قوم، ملت اور اُمت، تین اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں- قران کے مطابق "قوم" ایک علاقائی تصور ہے اور اس کا تعلق کسی خطۂ زمین، کلچر اور علاقے کے ساتھ ہے- مولانا نے قرانی آیات سے مثالیں پیش کرتے ہوئے لکھا کہ قوم لوطؑ، قوم ابراہیمؑ، قوم نوحؑ، قوم ھودؑ اور قوم صالحؑ کی اصطلاحات قران میں علاقائی اقوام کے لیے الگ الگ استعمال ہوئی ہیں- ان انبیا کی اقوام علاقائی تھیں، نہ کہ عالمگیر- اس کے بعد مولانا مدنی نے لفظ "ملّت" کی مثالیں دیں اور کہا قرآن کے مطابق ملّت مذہب سے ہوتی ہے، جیسا کہ قران میں ملّتَ ابراہیمَ حنیفا کی اصطلاح استعمال ہوئی یا حدیث میں "الکفر ملت واحدۃ" یعنی کفر ایک ملت ہے کے الفاظ آئے ہیں، سو اس لیے ملت تو پوری دنیا کے مسلمانوں کے ساتھ مل کر ہم بنا رہے ہیں، لیکن بطور قوم ہم ہندوستانی ہی ہیں- مولانا نے لکھا کہ اُمت پوری انسانیت کو کہتے ہیں، جیسا کہ قرآن میں آیا:- کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً- یعنی تمام انسان ایک اُمت ہیں-

اقبال نے ان وضاحتوں کو قبول نہ کیا اور کہا کہ "الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا"- اقبال نے کہا ہندوستانی مسلمان صرف مسلمان ہونے کی وجہ سے الگ قوم ہیں اور ہر لحاظ سے یہ ہندوؤں سے مختلف ہیں- ان کی زبان، ثقافت، لباس، رہن سہن، تہذیب و تمدن ہندوستان میں رہتے ہوئے بھی ہندوؤں سے جدا ہے- اگر قوم، زبان، کلچر اور رسم و روایات سے بنتی ہے تو پھر ہندوستان میں رہتے ہوئے مسلمان ہندوؤں سے اس قدر مختلف کیوں ہیں؟ اس "کیوں" کا جواب نہایت واضح ہے کہ وہ مسلمان ہیں اس لیے ہندوؤں سے الگ ہیں-

معرکۂ دین و وطن ایک علمی مباحثہ تھا جو اقبال کی وفات تک جاری رہا اور دونوں طرف کے لوگ کسی نتیجے پر پہنچے بغیر ہی بالآخر خاموش ہوگئے- دراصل اقبال کی کوشش تھی کہ ہندوستانی مسلمان قومیت اور نیشن سٹیٹ کے اس تازہ غلغلے کی زد میں آکر، کہ جو پورے یورپ کو اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا اور عیسائیت کا خاتمہ کر چکا تھا، کہیں اپنے عظیم تہذیبی سرمائے کو کھو نہ دیں- اقبال یورپ میں نیشن سٹیٹ کے جن کو بوتل سے نکلتا ہوا دیکھ چکے تھے- اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ قومیت کا یہ نظریہ جس کی بنا وطن پر ہے، کس حد تک خطرناک ہو سکتا ہے- انہوں نے اسی نظریے کی بنا پر اہل یورپ کے لیے یہ پیش گوئی بھی کی تھی کہ:

دیارِ مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو، وہ اب زرِ کم عیار ہو گا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائدار ہو گا

پھر اقبال کی پیش گوئی حرف بحرف درست ثابت ہوئی- اقبال نے یہ پیش گوئی 1907ء میں کی تھی، جس کے ٹھیک 7 سال بعد یورپ میں پہلی جنگِ عظیم ہوئی، جس کے نتیجے میں ڈیڑھ کروڑ انسان مارے گئے- پھر یہ جنگ بند ہوئی بھی تو عارضی طور پر- 1940ء میں یہ جنگ دوبارہ شروع ہو گئی اور اس بار اس نے 6 کروڑ انسانوں کی جان لی اور 60 فیصد

یورپ جل کر راکھ کا ڈھیر بن گیا- اتنی بڑی تعداد میں انسان، زمین کی تاریخ میں کبھی، قتل نہ کیے گئے تھے-

اقبال کا یہ مؤقف تھا کہ چونکہ اہلِ یورپ نے عیسائی مذہب کے جھنڈے کو خیر باد کہہ دیا ہے اور وطنی قومیت کے اپنے الگ الگ جھنڈے اٹھا لیے ہیں اس لیے اب ممکن نہیں کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور رواداری کے ساتھ رہ سکیں- اقبال کا کہنا تھا کہ:

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

اقبال کا نظریہ بہت ہی واضح اور دوٹوک تھا:

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذبِ باہم جو نہیں محفلِ انجم بھی نہیں

پھر جب پہلی جنگِ عظیم کے بعد یورپ کو احساس ہوا کہ عیسائیت کا مشترکہ پرچم پھینک دینے اور وطنی قومیت کا پرچم اٹھا لینے کے بعد ان میں کس قدر رنجش، جھگڑا اور لڑائی بڑھ گئی ہے، تو یورپ نے دوبارہ متحد ہو جانے کی کوششیں شروع کر دیں اور پھر وہ دوبارہ جمع ہوئے اور اس بار عیسائیت کا جھنڈا تو نہیں تھا لیکن انہوں نے پھر بھی اتحاد کو ہی ترجیح دی- لیگ آف نیشنز جو بعد میں اقوامِ متحدہ کہلائی، وجود میں آئی- اقبال ابھی زندہ تھے جب لیگ آف نیشنز کے متحدہ پرچم تلے یورپ کے لوگ اکٹھا ہونا شروع ہوئے- تب اقبال نے کہا تھا:

تفریقِ مِلل حکمتِ افرنگ کا مقصود
اسلام کا مقصود فقط ملّتِ آدم
مکّے نے دیا خاکِ جنیوا کو یہ پیغام
جمعیتِ اقوام کہ جمعیتِ آدم

فلسفۂ پاکستان:

تصریحاتِ بالا سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ پاکستان کا تصور کسی استبداد کا ردِ عمل نہیں تھا، بلکہ یہ تصور صدیوں میں تشکیل پاتی ہوئی ایک قوم کی شناخت اور اُس کی فطری ضروریات کا قدرتی تقاضا تھا- بالفاظِ دیگر پاکستان تاریخ کے تسلسل کی ایک ایسی وجودی حقیقت تھی جسے فقط اپنے وقت پر مشہود ہونا تھا، نہ کہ بننا تھا-

ہندوستانی مسلمان تاریخی اعتبار سے ایک ایسی قوم تھے جن کی روحانی ساخت میں وجود و شہود اور تصوریت و تجربیت جمع ہو گئے تھے- وہ صوفی ہو کر بھی ترکِ دنیا کے قائل نہ تھے- وہ کاروباری تھے، لیکن سود خور نہیں تھے- وہ فعال، مہذب و متمدن اور پڑھے لکھے تھے- وہ ہندوستانی تھے لیکن ان کی روحیں عرب کے ریگزاروں میں محوِ طواف رہتی تھیں- اقبال کے الفاظ میں:

عجمی خُم ہے تو کیا مے تو حجازی ہے مری
نغمہ ہندی ہے تو کیا لَے تو حجازی ہے مری

اقبال کو بہت اچھی طرح سے احساس تھا کہ آزادی کے بعد ہندوستانی مسلمان اگر ہندوؤں کے ساتھ رہے تو ان کا بچا کھچا "دم خم" بھی جلد فنا ہو جائے گا- کانگرسی علماء کے ساتھ بحث میں انہوں نے کئی بار واضح کیا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں فرق صرف ظاہری مذہب کا ہوتا تو اور بات تھی، یہ فرق دو الگ الگ فطرتوں (natures) کا فرق ہے- مسلمان کے خمیر میں خودی کے اشتمال کا جذبہ گندھا ہوا ہے- اقبال کا خیال تھا کہ اگر ہندوستانی مسلمانوں کو کھل کر اسلامی تعلیمات کے تحت جینے کا موقع ملا تو یہ اپنی خلاقی سے دنیا کو حیران کر دیں گے-

اقبال کا موقف تھا کہ:

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

اقبال کو یہ بھی اُمید تھی کہ اگر ہندوستانی مسلمانوں کو الگ وطن میسر آ جائے تو وہ شریعتِ اسلامی کی روشنی میں دنیا کو بہترین اقتصادی نظام کا نمونہ دکھا سکتے ہیں- اقبال اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ اسلامی شریعت کو اگر آزاد مسلم ریاست کے ماحول میں علم و بصیرت کے ساتھ نافذ کیا جائے، تو ہر انسان کا کم از کم حقِ معاش اور بنیادی اقتصادی تحفظ، یقینی بنایا جا سکتا ہے- ان کا یہ عقیدہ وقت کے ساتھ پختہ ہوتا چلا گیا کہ ہندوستان میں امن و استحکام اور مسلمانوں کی معاشی فلاح، محض ایک ایسی ریاست سے ممکن ہے جو ان کے دینی و تہذیبی

شعور کی ترقی کی ضمانت ہے- ایسی ریاست جو صرف مذہبی علامت نہ ہو بلکہ ایک "روحانی جمہوریت" کی شکل اختیار کرے- اپنے ایک خط میں اقبال نے قائدِ اعظم کو لکھا:

"اسلامی قانون کے طویل و عمیق مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر اس نظام قانون کو اچھی طرح سمجھ کر نافذ کیا جائے تو ہر شخص کے لیے کم از کم حقِ معاش محفوظ ہو جاتا ہے لیکن شریعت اسلام کا نفاذ اور ارتقاء ایک آزاد مسلم ریاست یا ریاستوں کے بغیر اس ملک میں ناممکن ہے- سالہا سال سے یہی میرا عقیدہ رہا ہے اور اب بھی میرا ایمان ہے کہ مسلمانوں کی غربت (روٹی کا مسئلہ) اور ہندوستان میں امن و امان کا قیام اسی سے حل ہو سکتا ہے"-

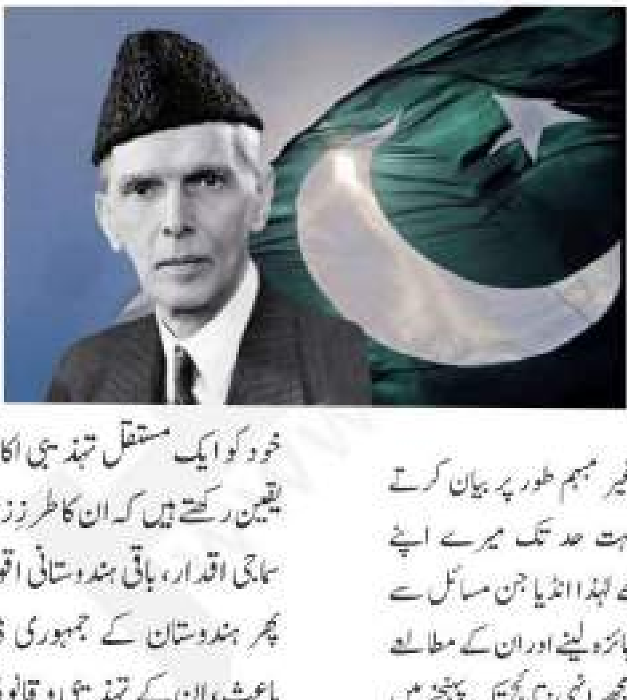

خود قائدِ اعظم نے بھی جب اقبال کے خطوط شائع کروائے تو ان کے دیباچے میں لکھا کہ:

"میں سمجھتا ہوں کہ یہ خطوط عظیم تاریخی اہمیت کے حامل ہیں، خصوصاً وہ جو مسلم انڈیا کے سیاسی مستقبل کے بارے میں ان کے نظریات کو واضح اور غیر مبہم طور پر بیان کرتے ہیں- ان کے نظریات بہت حد تک میرے اپنے نظریات سے ہم آہنگ تھے لہٰذا انڈیا جن مسائل سے گزر رہا تھا ان کا احتیاط سے جائزہ لینے اور ان کے مطالعے کے بعد آخرکار انہوں نے مجھے انہی نتائج تک پہنچنے میں راہنمائی کی اور وہی چلتے چلتے مسلم انڈیا کی متحدہ خواہش کی صورت میں 23 مارچ 1940ء کی آل انڈیا مسلم لیگ کی قرار دادِ لاہور میں ظاہر ہوئے جسے مقبول طور پر "قرار دادِ پاکستان" کہا جاتا ہے-(ایم-اے-جناح)"-

اقبال کے خط کے اقتباس میں "شریعتِ اسلام کے نفاذ اور ارتقاء" کے الفاظ سے اس غلطی فہمی کا احتمال ہے کہ اقبال بھی شاید اپنی مجوزہ آزاد ریاست کو ایک مذہبی ریاست ہی بنانا چاہتے تھے- اصل انگریزی متن میں "ڈیولپمنٹ ان شریعہ" کے الفاظ ہیں، جو نہایت اہم ہیں اور اسی ڈیولپمنٹ ان شریعہ کی تفصیل پر اقبال کی ایک پوری تصنیف، "دی ری کنسٹرکشن آف ریلیجس تھاٹ ان اسلام" موجود ہے- اقبال کے نزدیک شریعت جامد قانونی ضابطہ نہیں، بلکہ ایک ارتقائی شعور ہے جو انسانی آزادی، اجتہادی قوت اور روحانی جمہوریت کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو کر آگے بڑھتا ہے- ان کے تصورِ ریاست کا مرکز قانون کا اطلاق نہیں بلکہ انسان کی داخلی خودی کی تعمیر ہے جو اجتماعی سطح پر، ایک بامعنی تہذیبی وحدت کی صورت اختیار کرتی ہے- گویا اقبال ایک ایسے وطن کے خواہش مند تھے جہاں شریعتِ اسلامی کی ڈولپمنٹ (اجتہاد) ممکن ہو سکے-

پھر قراردادِ پاکستان میں مزید واضح ہو گیا کہ پاکستان بنانے کا بنیادی مقصد کیا تھا- قرادادِ پاکستان کی شکل میں در اصل ہندوستانی مسلمانوں سے ان کی تہذیبی شناخت پر تائید اور گواہی مانگی گئی تھی- آیا وہ خود کو ایک مستقل تہذیبی اکائی سمجھتے ہیں؟ کیا وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ان کا طرزِ زندگی، ان کے دینی تصورات اور سماجی اقدار، باقی ہندوستانی اقوام سے مختلف ہیں؟ اگر ہاں، تو پھر ہندوستان کے جمہوری ڈھانچے میں اکثریتی غلبے کے باعث، ان کے تہذیبی و قانونی امتیاز کیلئے الگ ریاست ناگزیر ہے- اسی سوال کو ایک اجتماعی رائے میں ڈھالا گیا اور لاکھوں مسلمانوں نے اس تصور کی تائید کرکے اس کے حق میں اپنی آواز شامل کی-

اقبال 1938ء میں وفات پا گئے- پاکستان 1947ء کو وجود میں آیا- دوسری جنگ عظیم ختم ہو چکی تھی- چائنہ بھی جاپان کے تسلط سے آزاد ہو چکا تھا- ایٹم بم آزمالیا گیا تھا اور دنیا یورپی نیشنلزم کے خوفناک نتائج بھگت رہی تھی- یہ وہ وقت تھا جب دنیائے فلسفہ میں شناخت کے مسئلے پر طوفانی قسم کے

مباحث جاری تھی- پوسٹ ماڈرنزم نمودار ہو رہا تھا- پوسٹ ماڈرنزم، جو بظاہر یورپی نیشنلزم کے خلاف ایک فلسفیانہ احتجاج تھا آزادیٔ فکر اور شناخت شکنی کی تحریک بن کر ظاہر ہوا- پوسٹ ماڈرنزم کا نعرہ تھا، اقوامِ عالم کو ان کے مراکز سے الگ کردو! پوسٹ ماڈرنزم ہر مہابیانیے کا ناقد تھا- قرآن، بائبل، داس کیپٹال، سب کا-

چنانچہ یورپ لامرکزیت کے فکری طوفان کی سب سے بڑا تجربہ گاہ بن گیا- شناختوں، خاندانوں اور تہذیبی مراکز سے لاتعلقی نے وہاں کے انسان کو اپنی جڑوں سے کاٹ دیا ہے- خاندانی نظام، جو کسی بھی قبیلے، قوم یا تمدن کی اکائی ہوتا ہے، اپنی آخری سانسیں لے رہا ہے- اب ثقافت صرف نمائشی تقریبات، عجائب گھروں یا تہواروں میں بچی ہے، اصل زندگی میں انسان محض انفرادی حیوان بن چکا ہے، جس کے نزدیک زندگی کا مقصد صرف اتنا رہ گیا ہے: ”کماؤ، کھاؤ، پیو، عیاشی کرو اور سو جاؤ“-

اقبال نے پیامِ مشرق کے دیباچے میں یہ پیشگوئی بہت پہلے کر دی تھی کہ یورپ جس راہ پر رواں ہے بالآخر عجمیت کا شکار ہو جائے گا- اقبال کے الفاظ:

”خالص ادبی اعتبار سے دیکھیں تو جنگِ عظیم کی کوفت کے بعد یورپ کے قوائے حیات کا اضمحلال ایک صحیح اور پختہ ادبی نصب العین کی نشوونما کے لیے ناسازگار ہے- بلکہ اندیشہ ہے کہ ان اقوام کی طبائع پر وہ فرسودہ سست رگ اور زندگی کی دشواریوں سے گریز کرنے والی عجمیت غالب نہ آجائے جو جذباتِ قلب کو افکارِ دماغ سے متمیز نہیں کر سکتی- البتہ امریکہ مغربی تہذیب کے عناصر میں ایک صحیح عنصر معلوم ہوتا ہے اور اس کی وجہ شاید یہ کہ یہ ملک قدیم روایات کی زنجیروں سے آزاد ہے اور اس کا اجتماعی وجدان نئے اثرات و افکار کو آسانی سے قبول کر سکتا ہے“-

چنانچہ اقبال کو اس شناخت شکن عہد میں قوم کی بقا کے سوال کا جواب اسلام کے نظریۂ قومیت میں ملا اور اقبال نے پورے جوش کے ساتھ یہ پیغام دیا کہ اسلامی تہذیبی شناخت اب بھی وہ واحد رشتہ ہے جو مسلمانانِ عالم اور بالخصوص مسلمانانِ ہند کو فنا ہونے سے بچا سکتا ہے- یہی شناخت عربوں، فارسیوں اور روسی ریاستوں کی شناخت ہے اور یہی شناخت، اگر فکری طور پر زندہ رکھی جائے، تو مسلمانوں کی روحانی مرکزیت کو عالمی بیگانگی سے بچا سکتی ہے اور آج بھی یہی مرکزیت، پوسٹ ماڈرن زوال کے مقابل وہ زندگی بخش قوت ہے جس سے فلسفۂ پاکستان پھر سے نئی معنویت کے ساتھ ابھر سکتا ہے-

☆☆☆

کتابیات:

- The Reconstruction of Religious Thought in Islam by Allama Muhammad Iqbal
- An Essay on the Usefulness of Oriental Literature by Richard Parker
- مقدمہ ابن خلدون
- اسرارِ خودی: علامہ محمد اقبال
- ڈاکٹر وزیر آغا کا خطبہ صدارت: ڈاکٹر ناصر عباس نیر
- History of Muslim Philosophy by M.M. Sharif
- ثقافت: خلیفہ عبدالحکیم

جدیدیت اور پاکستان
فلسفیانہ تناظر

وسیم فارابی
شعبہ فلسفہ، جی سی یونیورسٹی، لاہور

ابتدائیہ:

جدیدیت ایک ایسی تمدنی و فکری اصطلاح ہے جو ہمارے معاشرے میں بار بار سنی جاتی ہے، مگر کم ہی لوگ اس کے اصل مفہوم سے واقف ہیں۔ ہمارے ہاں عام طور پر جدیدیت کو مغربی طرزِ زندگی کی نقالی سمجھا جاتا ہے۔ لباس، زبان، رسم و رواج، رہن سہن اور ٹیکنالوجی کا استعمال، ان سب میں مغرب کی پیروی کو ہی جدیدیت یا دوسرے الفاظ میں "ماڈرن" ہونے کی علامت مانا جاتا ہے۔ یوں ایک خاص طبقہ صرف ظاہری تبدیلیوں کو جدیدیت سمجھ کر، سر سے پاؤں تک خود کو مغربی طرز پر ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے حالانکہ جدیدیت صرف نئے رسم و رواج یا نئی ٹیکنالوجی اپنانے کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک علمی، فکری اور تہذیبی تحریک ہے۔ اس تحریک نے مغرب کے قدامت پسند اور گھٹن زدہ ماحول میں عقلیت پسندی، تجربیت، سائنسی تحقیق اور فرد کی خود مختاری کو اہمیت دی۔ جدیدیت کی اصل انسانی سوچ میں وہ تبدیلی ہے جس نے سچائی کو محض روایات کی بجائے عقلی تنقید، انسانی مشاہدے اور آزاد فکر کے ذریعے جاننے کی کوشش کی۔ مغرب میں یہ تحریک صدیوں کی علمی و فلسفیانہ کاوشوں کے بعد پروان چڑھی اور اس کے اثرات نہ صرف ٹیکنالوجی بلکہ سیاسی، سماجی اور اخلاقی تصورات پر بھی مرتب ہوئے جنہیں ہم جدیدیت کے مظاہر کا نام دے سکتے ہیں۔

لہٰذا جدیدیت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اس کی ظاہری شکلوں اور مظاہر سے آگے بڑھ کر اس کی فکری روح کو پہچانیں۔ یہی سوال پاکستان کے تناظر میں سب سے اہم ہے: کیا پاکستان میں جدیدیت کو واقعی اختیار کیا گیا ہے یا پاکستان اپنی تہذیبی و ثقافتی بنیادوں پر قائم ہے؟ اگر جدیدیت کو اپنایا گیا ہے تو کیا محض جدیدیت کے مظاہر کو اختیار کر کے ہی اسے جدیدیت سمجھا جا رہا ہے یا جدیدیت کے ان علمی و فکری نظریات کو اختیار کیا گیا ہے جنہیں پاکستان کے تہذیبی تناظر میں اختیار کرنا مناسب ہے؟

ایک شبہ کا ازالہ:

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ جدیدیت مذہب مخالف ہے لیکن یہ تاثر ایک غلط فہمی پر مبنی ہے۔ اس تحریک کا اصل مقصد مذہب کا انکار نہیں تھا، بلکہ مغربی معاشروں میں مذہب کی آڑ میں اشخاص کی سیاسی اجارہ داریوں کو چیلنج کرنا تھا، جو کہ علم، تحقیق، سچائی اور فکری آزادی کی راہ میں رکاوٹ بن چکی تھیں اور علامہ اقبال کے نزدیک بھی مارٹن لوتھر کی تحریک اسی چرچ آرگنائزیشن کے خلاف تھی[1] جس کی وجہ سے یورپ میں عیسائیت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔

تو حقیقت یہ ہے کہ جدیدیت مغرب میں مذہبی پیشوائیت کی اس بے لگام سیاسی طاقت اور مظالم کے مخالف تھی جس میں فرد نہ کوئی تخلیقی سرگرمی کر سکتا تھا اور نہ اپنی زندگی کی بنیادی ضروریات کو پورا کر سکتا تھا۔ جیسا کہ امیر المؤمنین حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کا فرمان ہے کہ معاشرے کفر کے نظام پر چل سکتے ہیں لیکن ظلم کے نظام پر نہیں چل سکتے۔ یہی وہ نظریہ تھا جسے سامنے رکھتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا تھا:

> "اسلام اور اسکے نظریات نے ہمیں جمہوریت کا درس دیا ہے۔ اس نے ہمیں انسانی مساوات، انصاف اور سب کے ساتھ منصفانہ سلوک کرنا سکھایا ہے۔ پاکستان کسی بھی صورت میں ایک "تھیوکریٹک" ریاست نہیں بنے گی جس میں مولوی کسی خدائی مشن کے ساتھ حکومت

[1] https://franpritchett.com/00islamlinks/txt_iqbal_1930.html

کریں گے۔ ہمارے ہاں بہت سے غیر مسلم۔ ہندو، عیسائی اور پارسی۔ ہیں لیکن وہ سب پاکستانی ہیں"۔[2]

لیکن یہاں یہ نکتہ بھی سمجھنا ضروری ہے جو کہ علامہ اقبال نے خطبہ الہ آباد میں بیان کیا ہے کہ:

"اسلام انسانی وحدت کی روح اور مادے پر مبنی کوئی ایسی تقسیم نہیں کرتا جسکا آپس میں کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ اسلام میں خدا اور کائنات، روح اور مادہ، مذہب اور ریاست — سب ایک دوسرے سے مربوط اور ہم آہنگ ہیں"۔[3]

"اسلام کی دنیا میں کسی 'لوتھر' کا ظہور ناممکن ہے، کیونکہ یہاں قرونِ وسطیٰ کی عیسائیت کی طرح کوئی کلیسائی تنظیم موجود نہیں جس کو آکر کوئی گرا سکے"۔[4]

اب ہم جدیدیت کے اہم ترین پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ پاکستان کے تہذیبی تناظر میں ان کی حیثیت کیا ہے اور پاکستانی معاشرے میں ان کی اہمیت کیا ہے۔

1- عقلیت:(Rationality)

جدیدیت کی بنیاد عقلیت پر ہے، جس کے مطابق انسان اپنے فیصلے عقل، دلیل اور حسی علم کے ذریعے کرے اور کسی بھی حقیقت تک رسائی کیلئے عقلی دلیل، مشاہدہ یا تجربے کو بروئے کار لائے۔ عقلیت پسندی کا مطلب صرف منطق یا حساب کتاب نہیں بلکہ یہ انسان کے اس شعور کی توسیع ہے جس کے ذریعے وہ کائنات، معاشرہ اور خود اپنی ذات کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے برعکس ایسے طور طریقوں کی جدیدیت میں مخالفت کی گئی جس میں عقلی دلیل یا انسانی مشاہدے کا کوئی پہلو شامل ہی نہ ہو۔

پاکستان میں جدیدیت کے اس پہلو کا آج بھی شدید فقدان ہے۔ یہاں عقلیت پسندی کو شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ حالت وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اتنی ابتر ہوگئی ہے کہ آج سوال کرنا گستاخی، غور و فکر کرنا گمراہی، اور دلیل دینا بے ادبی بن گیا ہے اور کچھ طبقات تو ایسے ہیں جو جدیدیت کے نام پر سوال کرنے کے آداب ہی بھول گئے ہیں جدیدیت سوال کرنا سکھاتی ہے لیکن وہیں سوال کرنے کے آداب بھی سکھاتی ہے جس کا پاکستان میں ابھی فقدان ہے۔ یہاں جدیدیت اور عقل پرستی کے نام پر باقاعدہ طور پر روایات کا تمسخر، مذہب دشمنی اور بے ادبی کو فروغ دینے کا کلچر بھی عام ہے جو کہ جدیدیت کی اصل کے بلکل منافی ہے ایسے لوگوں کو امانوئل کانٹ اور ہامن کے درمیان مذہب پر ہونے والی مباحث کا مطالعہ ضروری ہے تاکہ وہ جان سکیں کہ ادب کے دائرے میں رہ کر تنقید کرنا ہی جدیدیت کا اصول ہے[5] - بدقسمتی سے پاکستان کا "فنڈڈ" لبرل طبقہ "مذہب دشمنی" اور "اقدار کے تمسخر" کو جدیدیت کا نام ہے، یہ محض جہالت ہے یا پھر تعصب۔

پاکستان ایک اسلامی ملک ہے اور قرآن پاک میں اکثر مقامات پر "عقلی غور و فکر اور انسانی مشاہدے"[6] کو استعمال کرنے پر زور دیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے:

"(یہ) کتاب ہم نے تم پر نازل کی ہے بابرکت ہے تاکہ لوگ اسکی نشانیوں میں غور کریں اور تاکہ اہل عقل نصیحت پکڑیں"۔[7]

"بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدل بدل کے آنے جانے میں "عقل والوں" کیلئے نشانیاں ہیں"۔[8]

"(اللہ) جسے چاہتا ہے دانائی عطا فرما دیتا ہے، اور جسے دانائی عطا کی گئی اسے بہت بڑی بھلائی نصیب ہوگئی، اور صرف وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں جو صاحب عقل و دانش ہیں"۔[9]

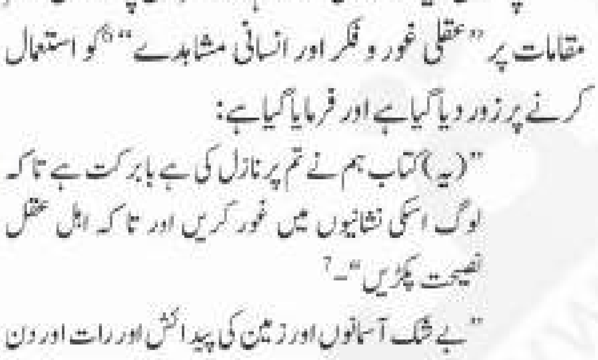

[2]https://www.tni.org/en/article/jinnahs-vision-of-pakistan
[3]https://franpritchett.com/00islamlinks/txt_iqbal_1930.html
[4]https://franpritchett.com/00islamlinks/txt_iqbal_1930.html
[5]The Fate of Reason by Frederick C. Beiser
[6](البقرۃ:73)
[7](سورۃ ص:29)
[8](آل عمران:190)
[9](البقرۃ:269)

"بے شک تمام جانوروں میں اللہ کے نزدیک بدترین ایسے بہرے، گونگے (انسان) ہیں جو "عقل" سے کام نہیں لیتے"۔[10]

قرآن کریم نے منکرین اسلام کے بارے میں اکثر یہ بات کی ہے کہ یہ غور و فکر نہیں کرتے[11] اور اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔[12]

لیکن پاکستان کیسا اسلامی ملک ہے جس میں عقل جیسی خداداد نعمت کی ناشکری اور کھلے عام مخالفت کی جاتی ہے۔ پاکستانی معاشرے میں فلسفے اور منطق کو کفر کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے اور تعلیمی اداروں میں تحقیقی اور تنقیدی سوچ کو پروان چڑھانے کی بجائے انہیں نمبروں کی دوڑ میں لگایا جاتا ہے۔[13] اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہم نہ صرف فکری طور پر کمزور ہو چکے ہیں بلکہ نظریاتی طور پر اتنے ناپختہ ہو چکے ہیں کہ یہاں ہر اختلاف، ہر سوال، ہر نئی بات کو خطرہ سمجھا جاتا ہے۔ پاکستانی معاشرے کے علمی اور فکری ڈسکورسز میں عقلیت پسندی کی جگہ "بیانیہ"، "وفاداری" اور "سازش" نے لے لی ہے۔ یہاں دلیل سے نہیں، نعرے سے بات کی جاتی ہے اور جو سوال کرے، اسے دین و ملت کا دشمن قرار دے دیا جاتا ہے۔[14] ایسے نظام سے علم و فکر سے آراستہ شہری نہیں، فرمانبردار غلام نکلتے ہیں جو سر ہلاتے ہیں، مگر سوال نہیں کرتے اور یہی وجہ تھی کہ مغرب میں چرچ نے جدیدیت کے حامیوں کی سخت مخالفت کی، کیونکہ جدیدیت نے چرچ کی سیاسی طاقت پر سوال کھڑے کر دیے تھے اور حیران کن امر یہ ہے کہ سوال کرنے والوں میں خود عیسائی مذہب کے پیروکار بھی شامل تھے۔[15]

2-انفرادیت (Individualism):

جدیدیت کا دوسرا بنیادی اصول "انفرادیت" ہے، یعنی ہر انسان کو اپنی رائے، سوچ اور پسند کے مطابق فیصلے کرنے اور زندگی گزارنے کا حق حاصل ہو۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ کوئی فرد مذہب یا خاندان سے کٹ جائے، بلکہ یہ کہ ہر انسان کو اس کی انفرادی حیثیت کے مطابق فیصلے کرنے کا اختیار ہو۔ جدیدیت انفرادیت کو اس لیے اہم سمجھتی ہے کیونکہ جب ہر شخص خود سوچے گا، خود سیکھے گا اور خود فیصلہ کرے گا، تبھی ایک معاشرہ تخلیقی، خوددار اور باوقار بنے گا اور یہ کوئی مغربی خیال نہیں بلکہ یہ تو وہی اصول ہے جسے اسلامی تاریخ میں امام ابو حنیفہ، امام شافعی، ابن رشد، امام غزالی، شاہ ولی اللہ دہلوی (رحمۃ اللہ علیہم) جیسے لوگوں نے اپنی فکر اور عمل سے پروان چڑھایا ہے اور اس کی بہترین مثال فقہ میں "قیاس" کا اصول ہے جس میں فردِ واحد کی رائے کو فقہی اور قانونی حیثیت دی جاتی ہے۔ مغرب میں انفرادیت نے فرد کو اس قابل بنایا کہ وہ اپنے مستقبل، تعلیم، زندگی کے فیصلے، یہاں تک کہ حکومت پر تنقید کا حق بھی آزادانہ استعمال کر سکے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہاں لوگوں میں خود اعتمادی پیدا ہوئی، تحقیق اور تخلیق کو فروغ ملا اور ریاست نے بھی فرد کی آزادی کو اپنی ترقی کا حصہ مان لیا۔ اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا پاکستان میں فرد کو وہی مقام حاصل ہے؟

بدقسمتی سے پاکستان میں انفرادیت کو خود غرضی سمجھا جاتا ہے، حالانکہ یہ دراصل خود شعوری کی طرف ایک قدم ہے۔ خاندانی، قبائلی اور گروہی شناختیں فقط پہچان کا ذریعہ ہی ہیں لیکن یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ یہاں یہ شناختیں اکثر ہی انفرادیت کو کچل دیتی ہیں۔[16] یہ بظاہر سماجی طاقتیں ہیں اور پاکستانی معاشرے میں ان کا تعمیری کردار بھی ہے، لیکن جب یہ فرد کی رائے کو مکمل طور پر دباتے ہیں تو یہ طاقت ایک جبر بن جاتی ہے۔ جب فرد کا عزت و مرتبہ اس کی اہلیت، قابلیت اور اس کے علم و کردار کی بجائے اس کی قبائلی، خاندانی یا گروہی شناخت بن جائے تو نوجوان نسل میں اپنی خودی کو پروان چڑھانے کا جذبہ پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اگر ایک کم مرتبہ

[10](الانفال:22)
[11](المائدہ:103)
[12](الفرقان:43)

[13]https://www.dawn.com/news/1908765
[14]https://www.dawn.com/news/1683541
[15]https://www.christianity.org.uk/article/the-enlightenment
[16]https://www.dawn.com/news/1851507

کے پڑھے لکھے اور قابل بیٹے نے کمی کمین اور ایک وڈیرے کے جاہل اور اجڈ بیٹے نے ملک/چوہدری/خان صاحب کہلوانا ہے اور اس کی عزت اس کے علم و قابلیت کی بجائے اس کی ذات پات سے کی جاتی ہے تو ایسے کم ظرف ماحول میں کس کا جی چاہے گا کہ وہ علم و ہنر میں کوئی نام پیدا کرے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں فرد آج بھی دباؤ کا شکار ہے۔ کئی موضوعات پر فرقہ، قوم، ذات یا اداروں کی رائے، فرد کی رائے پر اتنا حاوی ہے کہ سوشل میڈیا پر اپنی رائے دینا بعض اوقات جان کیلئے خطرہ بن جاتا ہے۔[17] اسلام بھی ہمیں انفرادی طور پر جوابدہی اور فرد کی آزادی کا سبق دیتا ہے اور کسی فرد پر جبر یا زبردستی کی سختی سے ممانعت کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو جتنے لوگ زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے۔ تو کیا تم لوگوں پر زبردستی کرنا چاہتے ہو کہ وہ مومن ہو جائیں؟"[18]

"سو جس شخص نے ہدایت قبول کی تو اس نے اپنے ہی فائدہ کے لئے راہِ راست اختیار کی، اور جو بھٹکا رہا تو آپ فرمادیں کہ میں تو صرف نصیحت کرنے والوں میں سے ہوں"۔[19]

"ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہتے ہیں اور آپ اُن پر جبر کرنے والے نہیں ہیں، پس قرآن کے ذریعے اس شخص کو نصیحت فرمائیے جو میرے وعدۂ عذاب سے ڈرتا ہے"۔[20]

"کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسری کا بوجھ نہیں اٹھائے گی"۔[21]

ان آیاتِ کریمہ سے یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر انسان اپنی انفرادی حیثیت میں جوابدہ ہے اور کسی پر کسی قسم کی زبردستی جائز نہیں ہے اور تبلیغ کرنا نصیحت کی حد تک ہے اس سے زیادہ کسی شخص کو مجبور کرنا اس کی انفرادیت اور شخصی آزادی کی خلاف ورزی ہے جس کی اجازت اسے خود اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ مزید فرمانِ باری ہے:

"اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا فرمایا اور ہم نے تمہیں قوموں اور قبیلوں میں (تقسیم) کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بیشک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو، بیشک اللہ خوب جاننے والا خوب خبر رکھنے والا ہے"۔[22]

یہاں اللہ تعالیٰ نے قوموں اور قبیلوں کو محض پہچان کا ذریعہ قرار دیا ہے اور جاہلیت کے دور کی اس رسم کی نفی کی ہے جس میں قوموں اور قبیلوں کو عزت و مرتبے کی نشانی سمجھا جاتا تھا لیکن ہم اپنے ارد گرد دیکھیں تو یہی نظر آتا ہے کہ لوگ اپنی قومی و قبائلی نسبت پر فخر کرتے ہیں جس کی اسلام نے بھی واضح لفظوں میں مخالفت کی ہے۔

3۔سائنسی تحقیق و ترقی:

(Scientific Research and Development)

جدیدیت کا تیسرا اہم پہلو یہ ہے کہ فرد اور معاشرہ عقلیت پسندی، تجربیت اور سائنسی طریقے کو نہ صرف استعمال کرے بلکہ اس کے ذریعے علم و تحقیق میں اپنا حصہ بھی ڈالے۔ فرد کی اولین ذمہ داری ہے کہ وہ سوچے، سوال کرے، تحقیق کرے اور پھر نتائج کو دلائل کی بنیاد پر پیش کرے۔ جابر بن حیان، ابن سینا سے لے کر ابن شاطر تک اور گلیلیو سے لے کر آئن سٹائن تک، یہ سبھی سائنسدان اس آفاقی انسانی فکر کی پیداوار ہیں جو انسان میں جستجو و تحقیق کا شوق پیدا کرتی ہے۔ قائداعظم نے فرمایا تھا کہ:

"تعلیم پاکستان کیلئے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے اسی لیے پاکستان میں تعلیم اور بالخصوص سائنسی تعلیم کو شروع دن سے اہمیت دی گئی ہے۔ خلائی تحقیقی پروگرام سے

[17] https://tribune.com.pk/story/2514170/seven-more-suspects-charged-over-anti-state-social-media_propaganda

[18] (یونس:99)　[19] (النمل:92)　[20] (سورۃ ق:45)　[21] (النجم:38)　[22] (الحجرات:13)

لے کر نیوکلیر اور اٹامک سائنس تک پاکستان نے سائنسی تحقیق میں بھرپور حصہ لیا ہے-[23]

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ پاکستان میں سائنسی تحقیقات ریاستی ترجیح تو رہی ہیں مگر عمومی طور پر طلباء اور تعلیمی اداروں میں اس کا رجحان وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کم ہوتا چلا گیا- یہاں سائنسی تحقیق ریاستی پالیسی تو بنی لیکن یہ عوامی کلچر نہیں بن سکی -یہاں مخصوص ادارے تو تحقیق کرتے ہیں لیکن ایک عام طالب علم تحقیق کو اپنی ذمہ داری نہیں سمجھتا-

آج صورتحال یہ ہے کہ پاکستان میں تقریباً 40 فیصد بچوں کو بنیادی تعلیم کی سہولت ملنے کا امکان ہی نہیں ہے اور جو بچے زیر تعلیم ہیں ان کی اکثریت میں سوال و جستجو کرنے کی عادت کو ہی بہت کم سراہا جاتا ہے اور تحقیقی طریق کی بجائے رٹا لگوانے پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے جس سے بہت کم ہی بچے اپنی ذہنی قابلیت کا مکمل اظہار کر پاتے ہیں[24] - ایک وقت تھا جب پاکستان میں انتہائی قابل سائنسدان اور پروفیسرز پائے جاتے تھے[25] اور آج حالات یہ ہیں کہ فزکس کے ڈیپارٹمنٹ میں گنتی کے لوگ ملیں گے جنہیں تھیوری آف ریلیٹیویٹی اور کوانٹم فزکس پر عبور ہو گا- آج بھی کئی پاکستانی سائنس و ٹیکنالوجی میں نام پیدا کر رہے ہیں لیکن اس کے پیچھے پاکستان کی بجائے بیرونی تعلیمی اداروں کا کردار زیادہ ہے جبکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان کے اپنے تعلیمی اداروں کو اپنا تعلیمی و تحقیقی معیار مزید بہتر کرنا چاہیے-

دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ پاکستان میں سائنسی تحقیق کا مرکز نیچرل سائنسز رہی ہیں جبکہ سوشل سائنسز کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی-[26] سوشل سائنسز کی اس نازک صورتحال کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ فلسفہ جیسا اہم مضمون جس کے بطن سے تمام جدید علوم کا ظہور ہوا اسے پاکستان میں آہستہ آہستہ فراموش کر دیا گیا ہے- آج پاکستان کی بڑی بڑی اور مشہور تعلیمی درسگاہوں میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے ڈیپارٹمنٹ تو ملیں گے لیکن فلسفہ ڈیپارٹمنٹ نہیں ملے گا- چند تعلیمی اداروں میں فلسفہ ڈیپارٹمنٹ ہے مگر وہاں طلباء کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے اس لیے کہ ہم نے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سوشل سائنسز کو اہمیت دینا ہی چھوڑ دی ہے-[27] جبکہ دنیا کی بڑی بڑی درسگاہوں میں ان مضامین کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے اور ان مضامین کی اہمیت اتنی زیادہ سمجھی جاتی ہے کہ ملکی پالیسی بنانے کے عمل میں سوشل سائنسز کو مدِ نظر رکھا جاتا ہے-[28]

پاکستان میں ایک رجحان یہ بھی ہے کہ کچھ مذہبی طبقات سادہ لوح عوام کو سائنسی اور جدید مغربی تعلیم کے خلاف بھڑکاتے ہیں کہ یہ مغربی تعلیم ہے جس سے مسلمانوں کو بچنا چاہیے اور اس کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے عقیدت مند ہیں جو ابھی تک صدیوں پرانے سائنسی نظریات سے یوں چپکے ہوئے ہیں جیسے یہ ہمارے عقیدے کا حصہ ہوں کہ جن کے اندر تبدیلی سے ایمان کا خطرہ لاحق ہو گا- ہمارے لیے یہ لمحہ فکریہ ہے کہ ہم اپنے علمی ورثے کو بھی دیکھیں اور جدید دور میں اپنی علمی کاوشوں کو بھی دیکھیں تو منظر واضح ہو جائے گا کہ جدید سائنسی علوم کو فراموش کرنا کتنی بڑی علمی و تہذیبی خودکشی کے مترادف ہے-

اس حوالے سے یہاں مصورِ پاکستان علامہ محمد اقبالؒ کا نکتہ نظر پیش کرنا بہت اہم ثابت ہو گا جو مغرب کے سائنسی علوم کو اصلاً قرآنی علوم قرار دیتے ہیں- اقبال فرماتے ہیں:

”بے شک قرآن حکیم کے نزدیک مشاہدہ فطرت (Observation of Natural Phenomena) کا بنیادی مقصد انسان میں اس حقیقت کا شعور اجاگر کرنا ہے جس کے لیے فطرت (Nature) کو ایک آیت یا

[23] https://tribune.com.pk/story/2469523/pakistan-rockets-forward-in-space-technology
[24] https://www.dawn.com/news/1808713
[25] https://www.nazariapak.info/Famous-Pakistani/Scientists.php
[26] Dismal State of Social Sciences in Pakistan by S.Akbar Zaidi
[27] https://mos.org.pk/philosophy-departments-in-pakistan-a-downward-spiral-in-academia/
[28] Social Science and the Policy-Making Process by Jennings and Challahan

نشانی قرار دیا گیا ہے مگر مقام غور تو قرآن کا تجربی رویہ (Empirical Attitude) ہے جس نے مسلمانوں میں واقعیت (حقیقت) کا احترام پیدا کیا اور یوں انہیں بالآخر عہد جدید کی سائنس کے بانی کی حیثیت سے متعارف کرایا"۔[29]

4-جمہوری نظام(Democratic System):

جمہوریت ایک مکمل سیاسی، سماجی اور اخلاقی نظام ہے جو مساوات، فرد کی آزادی، قانون کی بالادستی، اداروں کی خود مختاری اور تہذیبی شعور جیسے اصولوں پر قائم ہے-مغرب میں یہ نظام صدیوں کی سیاسی اور فکری جدوجہد کے نتیجے میں سامنے آیا- وہاں رائج بادشاہی نظام کی مخالفت کی گئی جس میں ریاستی طاقت فردِ واحد کے ہاتھ میں تھی اور جہاں قانون بادشاہ کا حکم تھا لیکن بادشاہ کے پیچھے چرچ کی اجارہ داری تھی یوں یہ نظام چرچ کے ہاتھ میں تھا- اس نظام میں لوگوں کے بنیادی حقوق کا استحصال کیا جاتا تھا اور عوام کو غلاموں کی طرح سمجھا جاتا تھا- جدیدیت کی بنیاد میں دراصل اسی نظام کے خلاف نفرت و بغاوت شامل تھی اور اسی نظام کی مخالفت میں جمہوری نظام وجود میں آیا- جمہوریت فرد کو خود مختار مانتی ہے اور اقتدار کو محدود اور جواب دہ بنانے کے لیے مختلف ادارے بناتی ہے جو ایک دوسرے پر نظر رکھتے ہیں-

پاکستان میں رائج جمہوری نظام اور اس کی اہمیت کو قائد اعظم کی درج ذیل فرمان سے سمجھا جاسکتا ہے:

"میرے ذہن میں ایک ہی بنیادی اصول ہے جو کہ اسلامی جمہوری اصول ہے- یہ میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات ان سنہری اصولوں پر عمل کرنے میں ہے جو کہ ہمارے عظیم قانون ساز، پیغمبر اسلام (ﷺ)، نے ہمارے لیے مقرر کیے ہیں"۔[30]

"میرے ذہن میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہمارا بہت بڑا طبقہ پاکستان کو بطور عوامی حکومت تصور کرتا ہے- مجھے یقین ہے کہ جمہوریت ہمارے خون میں شامل ہے"۔[31]

ایک بات یہاں واضح ہو جاتی ہے کہ پاکستان کا نظام جمہوری ہے اور یہ نظام مغربی جمہوری نظام سے اس طرح مختلف ہے کہ یہاں قانون سازی اسلام کے قوانین کے مطابق کی جاتی ہے اور کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جاسکتا جو کہ اسلامی اصولوں کے خلاف ہو- لیکن جمہوری نظام کی تکمیل محض قانون سازی سے مکمل نہیں ہوتی جب تک جمہوری نظام کے مقاصد پورے نہ ہوں- مشرق و مغرب میں جمہوری نظام کی کامیابی کا جانچنے کا پیمانہ انہیں مقاصد کی تکمیل ہی ہے جسے قائد اعظم نے اپنے ایک خطاب میں واضح کر دیا تھا:

"(پاکستان کے قیام کا) اصل تصور یہ تھا کہ ہمیں ایک ایسی ریاست ملے جہاں ہم آزاد انسانوں کی طرح جی سکیں، سانس لے سکیں اور اپنی سوچ اور اپنی تہذیب کے مطابق ترقی کر سکیں اور جہاں اسلامی سماجی انصاف کے اصولوں کو مکمل آزادی کے ساتھ نافذ کیا جاسکے- ہمارا مقصد صرف محتاجی اور خوف کا خاتمہ ہی نہ ہو، بلکہ اسلام کی ہدایت کے مطابق آزادی، اخوت اور مساوات کو بھی یقینی بناتا ہو-[32]

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا پاکستان ان مقاصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوا ہے جو کہ ایک جمہوری یا اسلامی جمہوری ریاست کو حاصل کرنے چاہیے؟ تو اس کا جواب نفی

[29] (تجدید فکریات اسلام، ص:30)

[30] http://pjhc.nihcr.edu.pk/wp-content/uploads/2020/08/1.-Quaid-i-Azam-and-Democracy.pdf

[31] ibid

[32] ibid

میں ہے کیونکہ پاکستان ابھی تک مقاصد کو حاصل کرنے کی کوشش ہی کر رہا ہے۔ بنیادی انسانی حقوق کی فراہمی، سماجی انصاف، قانون کی بالادستی، شخصی آزادی، مساوات، آزاد عدلیہ اور اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت، یہ سب وہ مقاصد جو ابھی تک مکمل طور پر حاصل نہیں کیے جا سکے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں لیکن ایک وجہ ان سب میں مشترک ہے۔ یہ وہ تنبیہ بھی ہے جو قائداعظم نے شروع دن سے کی تھی کہ:

"میں یہاں جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کو خبردار کرنا چاہتا ہوں، جو ایک ایسے ظالمانہ اور بدطینت نظام کے ذریعے ہم پر پلتے رہے ہیں جو انہیں اتنا خود غرض بنا چکا ہے کہ ان سے عقلی بات کرنا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ عوام کا استحصال ان کے خون میں رچ بس گیا ہے۔ یہ لوگ اسلام کے سبق بھول چکے ہیں۔ ان کی حرص اور خود غرضی نے انہیں دوسروں کے مفادات کے تابع کر دیا ہے تاکہ وہ خود پیٹ بھر سکیں۔ آپ دیہات میں کہیں بھی جائیں — میں نے گاؤں دیکھے ہیں — وہاں لاکھوں لوگ ہیں جو بمشکل دن میں ایک وقت کا کھانا حاصل کر پاتے ہیں۔ کیا یہی تہذیب ہے؟ کیا یہی پاکستان کا مقصد تھا؟ کیا آپ تصور کر سکتے ہیں کہ لاکھوں لوگ استحصال کا شکار ہوں اور انہیں ایک وقت کا کھانا بھی نہ ملے؟ اگر پاکستان کا مقصد یہی تھا تو میں ایسے پاکستان کو قبول نہیں کرتا۔"[33]

پاکستان میں جمہوری نظام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہی ایسے جاگیردار، سرمایہ دار ہیں جن کیلئے جمہوری نظام ایک خطرے سے کم نہیں ہے۔ ایسے لوگ جو خود کو قانون سے بالاتر سمجھتے ہیں؛ اپنے مفادات پر قوم کے مفادات کو قربان کر دیتے ہیں؛ قومی ترقی کی بجائے انفرادی یا گروہی ترقی کو فروغ دیتے ہیں؛ وہ یہاں ایسا نظام پسند نہیں کرتے جو قانون کی نگاہ میں سب کو برابر دکھائے جو سماجی انصاف اور احتساب پر مبنی ہو۔ اس لیے یہاں جمہوریت کا مطلب صرف انتخابی عمل لیا جاتا ہے کہ عوام اپنے نمائندے خود منتخب کرے۔ لیکن کیا وہ نمائندے عوام کی خدمت کرتے ہیں یا نہیں یہاں پر معاملات غیر شفاف ہیں۔ اگر ووٹرز کی بات کی جائے تو ان میں بھی ابھی سیاسی شعور کم ہے وہ ہے، قابلیت کی بجائے زیادہ تر برادری، ذات، مسلک یا شخصی وفاداری کی بنیاد پر ووٹ ڈالتے ہیں۔ سیاست بھی چند خاندانوں کے ہاتھوں میں ہے یہاں مذہب کو بھی سیاسی مقاصد حاصل کرنے کیلئے بطور آلہ تو استعمال کیا جاتا ہے مگر مذہبی اخلاقی اصول نظر انداز کر دیے جاتے ہیں۔ نتیجتاً یہاں جمہوریت ابھی نابالغ ہے، اس کے اندر ابھی نہ وہ فکری روشنی ہے اور نہ اخلاقی گہرائی جو ایک جمہوری معاشرے کے لیے ضروری ہوتی ہے۔

5- صنعتی ترقی اور پیداواری معیشت (Industrial Development & Productive Economy):

صنعتی ترقی جدیدیت کا نمایاں پہلو ہے اور اسے جدیدیت کی کامیابی کی بہت بڑی دلیل بھی تصور کیا جاتا ہے۔ اس نے انسانی زندگی کے ہر پہلو کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ جدیدیت کے تحت عقل اور مشاہدے کو اہمیت حاصل ہوئی جس کے نتیجے میں لوگوں میں علم و تحقیق کا شوق بڑھنے لگا۔ لیکن جب برطانیہ اور امریکہ میں پیٹینٹ لاء (Patent Law) نافذ ہوا تو اس تحقیقی سرگرمی سے ایجادات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ بلب کے موجد تھامس ایڈیسن کے نام پر تقریباً 1500 ایجادات کی اسناد جاری کی گئیں یعنی اس اکیلے نے اپنے علم اور جستجو سے 1500 ایجادات کے نظریات تشکیل دیے جو اس نے پراڈکٹ بنانے والی کمپنیوں کو بیچے۔[34] یوں آہستہ آہستہ مشینوں اور فیکٹریوں سے پیداوار کا عمل تیز، سستا اور زیادہ منظم ہوا۔ کھیتوں، دستکاری اور چھوٹے پیمانے کی معیشتوں کی جگہ بڑے صنعتی مراکز نے لی اور یوں پیداواری معیشت وجود میں آئی۔ اس معیشت کا زور چیزیں بنانے، بیچنے اور مسلسل ترقی کرنے پر ہے۔

[33] http://pjhc.nihcr.edu.pk/wp-content/uploads/2020/08/1.-Quaid-i-Azam-and-Democracy.pdf
[34] Why Nations Fail by Acemoglu & Robinson, p:36

جدیدیت کے زیر اثر مغرب میں صنعتی ترقی ایک فکری، سائنسی اور ادارہ جاتی عمل کا نتیجہ تھی، جہاں تعلیم، تحقیق، قانون کی حکمرانی اور منظم پالیسیاں موجود تھیں۔ اس کے برعکس پاکستان میں صنعت کاری نہ تو ایک فکری تحریک سے ابھری اور نہ ہی اس کی بنیاد سائنسی تحقیق یا ادارہ جاتی نظام پر ہے بلکہ یہاں صنعتی ترقی خالصتاً معاشی مقاصد کی حامل ہے۔

صنعتی ترقی کیلئے ضروری ہے کہ اس میں زیادہ سے زیادہ افراد اپنے ہنر کے ذریعے حصہ ڈالیں جس کی وجہ سے ملک میں چھوٹے اور درمیانے پیمانے کے کاروبار ترقی کرتے ہیں۔ لیکن یہاں چھوٹے اور درمیانے طبقے کے کاروبار کی تعداد کم ہے۔ یہاں کاروباری لوازمات ہی اس نوعیت کے ہیں کہ جن کے بوجھ تلے چھوٹے کاروبار کیا کبھی کبھی تو بڑے کاروبار بھی پس جاتے ہیں[35] لیکن پھر بھی یہاں خاطر خواہ کاروباری سہولیات زیادہ تر بڑے بڑے سرمایہ داروں کو میسر ہیں اور وہی اکثریت کاروباری سرگرمی کو کنٹرول کرتے ہیں۔[36] اس لیے پاکستان کی پیداواری معیشت کی بنیادیں ابھی کمزور ہیں۔[37] مزید برآں، زرعی ملک ہونے کے باوجود زراعت جدید سائنسی بنیادوں سے ہم آہنگ نہیں ہے - مزدوروں کے حقوق کمزور ہیں، تعلیم اور ہنر کی کمی ہے، اور توانائی و خام مال کی عدم دستیابی بھی ایک مستقل رکاوٹ ہے۔[38]

نتیجتاً، پاکستان کی صنعتی ترقی ایک ناہموار اور غیر مستحکم عمل بن چکا ہے۔ اگرچہ یہاں کاروباری سرگرمی اور صنعتی پیداوار انتہائی فعال ہے لیکن اس کے باوجود 45 فیصد عوام غربت کی لائن سے نیچے ہے۔[39] یہاں کے کاروباری اور ہنرمند دنیا کیلئے بہت کچھ بناتے ہیں[40] لیکن بنیادی مسئلہ یہی ہے کہ یہ پیداوار صرف معاشی مفاد کی خاطر کی جاتی ہے۔ اس لیے یہاں سوائے چند مصنوعات جیسا کہ ٹیکسٹائل، کھیل کا سامان اور آلاتِ جراحی کے علاوہ دیگر مصنوعات کے معیار کو بہتر بنانے پر توجہ نہیں دی جاتی نہ ہی صنعتی تحقیق پر اتنا کام کیا جاتا ہے۔[41] جبکہ پاکستان میں اتنا پوٹینشل ہے کہ یہ صنعتی پیداوار کو بہت زیادہ بڑھا سکتا ہے جو کہ آج کے معاشی دوڑ کے دور میں انتہائی ضروری بھی ہے۔[42]

نتیجہ:

پاکستان کئی وجوہات کی بنا پر نہ صرف اسلامی دنیا میں بلکہ عالمی طور پر انتہائی اہم ملک تصور کیا جاتا ہے لیکن پاکستان ابھی تک ایک ترقی پذیر ملک تصور کیا جاتا ہے جو ابھی تک سیاسی، سماجی اور معاشی استحکام کیلئے مسلسل کوشش کر رہا ہے۔ پاکستان کی اپنی ایک زرخیز تہذیب ہے جو انتہائی کارگر اور مفید اصولوں پر قائم ہے لیکن جدیدیت نے جہاں مغربی دنیا کو ترقی یافتہ اقوام بنا دیا ہے وہیں اس تحریک کے اصولوں سے پاکستان بھی بے انتہا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اس وقت پاکستان نہ ہی اپنے تہذیبی اصولوں پر مکمل طور پر کاربند ہے اور نہ ہی یہ جدیدیت کو بطور فکر اپنی تہذیب کے ساتھ ہم آہنگ کر پا رہا ہے۔ چونکہ یہ ایک اسلامی ملک ہے اس لیے یہاں یہی سننے کو ملتا ہے کہ ہمیں غیر اسلامی اصولوں کی کیا ضرورت ہے۔ اس آرٹیکل میں راقم نے یہی ابہام دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ (1) جدیدیت کے بہت سے اصول اسلامی تہذیب سے ہم آہنگ ہیں اور جس اصول کا غیر اسلامی ہونے کا شائبہ ہو تو وہاں تبدیلی ممکن ہے (2) جدیدیت کے بہت سے اصول کسی بھی ملک یا معاشرے کی ترقی کیلئے مذہب یا ملک کی قید نہیں رکھتے۔ اس لیے پاکستان کو سیاسی، سماجی اور معاشی استحکام کیلئے ان اصولوں سے فائدہ اٹھانے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔

☆☆☆

[35] https://www.dawn.com/news/1764773
[36] https://www.thenews.com.pk/print/830837-31-families-control-kse
[37] https://store.ectap.ro/articole/972.pdf
[38] https://pide.org.pk/research/agriculture-is-not-the-future-of-pakistan/
[39] https://www.dawn.com/news/1915759
[40] https://tradingeconomics.com/pakistan/exports-by-category
[41] https://lahoreschoolofeconomics.edu.pk/assets/uploads/lje/Volume11/06_A__R__Kamal2.pdf
[42] https://www.thenews.com.pk/magazine/money-matters/1249476-navigating-pakistans-industrial-future

پاکستان میں آبی جمالیات: ایک تحقیقی جائزہ

سیمینہ عمر

کائنات کی تخلیق کا لمحہ، انسانی فہم سے ماورا اور عرفانِ الٰہی کا پہلا مظہر ہے۔ اس لمحے میں کیا سب سے پہلے تخلیق ہوا؟ یہ وہ سوال ہے جس پر نہ وحی حتمی خامہ رکھتی ہے، نہ عقلِ خالص۔ البتہ یہ حقیقت مسلّم ہے کہ پانی ان اولین مظاہر میں سے ایک ہے جنہیں خالقِ کائنات نے وجود بخشا اور جن کے ذریعے زمین کی ہیئت، حیات کی ابتدا اور تہذیبوں کی روانی ممکن ہوئی۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ[1]

"اور ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے پیدا کیا"۔

یہ آیت پانی کی مرکزیتِ تخلیق پر روشنی ڈالتی ہے، نہ کہ ترتیبِ تخلیق پر۔ مزید برآں یہ آیت "وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ"[2] اشارہ کرتی ہے کہ پانی عرشِ الٰہی کے ماتحت کائناتی نظام کے اولین ماحول میں موجود تھا یعنی وہ اولین تخلیقی کیفیات میں شامل تھا۔ تحقیق "پانی" کو محض ایک سائنسی مادہ یا ماحولیاتی عنصر نہیں، بلکہ ایک جمالیاتی، معنوی اور تمدنی مظہر کے طور پر دیکھنے کی سنجیدہ علمی کوشش ہے۔ پانی کی meandering، جھیلوں کا انعکاسی سکوت، آبشار کی صوتی تشکیل اور بارش کی وجدانی کیفیت، یہ سب فطرت کا خاموش مکالمہ ہیں جو انسان کی حسیات، شعور اور تہذیب کو متاثر کرتے ہیں۔ پاکستان جیسے ملک میں جہاں دریا، چشمے، جھیلیں اور برسات نہ صرف فطرت بلکہ ثقافت، عقیدہ اور فن کا حصہ ہیں، وہاں "آبی جمالیات" ایک نیا تحقیقی باب کھولتی ہیں۔ جس میں جغرافیہ اور جمالیات، سائنسی حقیقت اور روحانی تاویل آپس میں ہم آہنگ ہو کر ایک نئے فکری افق کی تشکیل کرتے ہیں۔

طہارت کا ذریعہ اور زندگی کا مرکز:

پانی اللہ تعالیٰ کا عظیم عطیہ ہے۔ کائنات کی ہر شئے کی بقا اور حیات کا راز بھی اسی بیش قیمت نعمت پر موقوف ہے۔ کہیں اللہ تعالیٰ نے پانی کو "طہور" فرمایا ہے تو کہیں اس نعمت کو "مبارک" کی صفت کے ساتھ متصف کیا، کسی چیز کا باعث برکت ہونا یہ خوبی تو ہزار ہا خوبیوں سے بڑھ کر اور برتر ہے۔ فرمایا: "اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی برسایا اور اس سے باغات اور کٹنے والے کھیت کے غلے پیدا کیے"۔[3] پانی کی ایک صفت اللہ تعالیٰ نے "فرات" یعنی پاک، صاف و شفاف قرار دیا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے کم و بیش 63 مقامات پر پانی کی قدر و قیمت کو بیان فرمایا۔ جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

- "اور تمھیں سیراب کرنے والا میٹھا پانی پلایا"۔[4]
- "ہم نے آسمان سے پاک پانی نازل کیا"۔[5]

---

[1] (الانبیاء:30)

[2] اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ (ھود:7)

[3] (سورۃ ق:9)

[4] (المرسلات:27)

[5] (الفرقان:48)

- "کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برساتا ہے، پس زمین سرسبز ہو جاتی ہے، بیشک اللہ تعالیٰ مہربان اور باخبر ہے"۔[6]
- "پھر برسات کی وجہ سے مختلف قسم کی پیداوار بھی ہم ہی پیدا کرتے ہیں۔تم خود کھاؤ اور اپنے چوپاؤں کو بھی چراؤ، کچھ شک نہیں کہ اس میں عقلمندوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں"۔[7]
- "کس نے آسمان سے بارش برسائی؟ پھر اس سے ہرے بھرے بارونق باغات اگائے؟ان باغوں کے درختوں کو تم ہرگز نہ اگا سکتے"۔[8]

سائنسی نقطۂ نظر سے پانی H_2O: ایک آکسیجن اور دو ہائیڈروجن ایٹمز۔زمین کا 71 فیصد حصہ پانی پر مشتمل ہے۔ 2.5 فیصد پانی میٹھا(انسانوں کے لئے قابل استعمال) اور باقی کھارا(ناقابل استعمال) ہے۔پانی زندگی کی تمام حیاتیاتی، کیمیائی اور جسمانی سرگرمیوں کے لیے انتہائی ضروری ہے۔[9]

پانی، جغرافیہ کا سب سے حسین و جمیل عنصر ہے۔پانی ناصرف زمین کی ہیئت کو تراشتا ہے، بلکہ تہذیبوں کو بھی جلا بخشنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ جہاں ہمیں دیو قامت پہاڑ جامد دکھائی دیتے ہیں وہیں پانی اپنی راہ خود بناتا ہے۔یہی پانی دریاؤں کی صورت میں وادیاں تراشتا ہے، جھیلوں میں سکون بکھیرتا ہے، آبشاروں میں صوتی حسن پیدا کرتا ہے اور ساحلوں پر ثقافتوں کی آبادکاری کرتا ہے۔

جغرافیائی اصطلاح میں، پانی ایک متحرک ایجنٹ (Dynamic Agent) ہے جو Erosion، Transportation اور Deposition جیسے عمل کے ذریعے زمین کے مرفولوجیکل خدوخال(landforms) پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے۔مگر اس پانی کا ایک غیر مادی، مگر نہایت طاقتور پہلو بھی ہے۔اس کے جمالیاتی مظاہر میں دریاؤں کی meandering دراصل فطرت کا فنِ خطاطی ہے۔جھیلوں کی سطح پر سورج کا عکس ایک ساکت تصویر کی مانند ہوتا ہے۔آبشار کی دھار ایک صوتی نظم (natural symphony) ہے، جو چٹانوں کو چھوتی ہوئی اترتی ہے۔علاوہ ازیں مون سون کی بارش صرف ایک ماحولیاتی مظہر نہیں، بلکہ ایک جغرافیائی وجدانی تجربہ ہے۔ پاکستان میں اس کی دلکش مثالیں موجود ہیں جن میں دریائے سوات کے کنارے بستیاں، جہاں پانی کی روانی ثقافت کو سیراب کرتی ہے۔سیف الملوک جھیل، جس کے جمال پر نہ صرف جغرافیہ بلکہ لوک داستانیں بھی قربان ہو جائیں۔ بلوچستان کے چشمے، جہاں صحرا کی خشکی میں پانی کی موجودگی معجزہ نما جمال پیدا کرتی ہے۔[10] جو کہ پانی کی ماحولیاتی اور جمالیاتی معنویت کو دوہرا کرتے ہیں۔ان کے علاوہ **راوی، چناب، جہلم اور سندھ** جیسے دریا بھی پاکستانی آبی منظرنامے میں نمایاں جمالیاتی اور تمدنی اہمیت رکھتے ہیں۔**دریائے راوی،** جو تاریخی اعتبار سے لاہور کے اطراف کی آبی گزرگاہ رہا ہے، شہر کی زرعی اور تہذیبی ترقی سے وابستہ رہا ہے۔**چناب** اپنی میانداری، زرخیز کناروں اور ثقافتی متون میں تکرار کی وجہ سے ایک نمایاں جمالیاتی پہچان رکھتا ہے۔

جہلم، جو جھیل منگلا کے ساتھ جڑا ہوا ہے، خطے کے آبی وسائل اور منظرنگاری میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔جبکہ **دریائے سندھ**، نہ صرف پاکستان کا سب سے بڑا دریا ہے بلکہ ایک تہذیبی ستون کی حیثیت رکھتا ہے، جو آبی نظام، تاریخی روایات، اور علاقائی ثقافتوں کا گہرا مظہر ہے۔

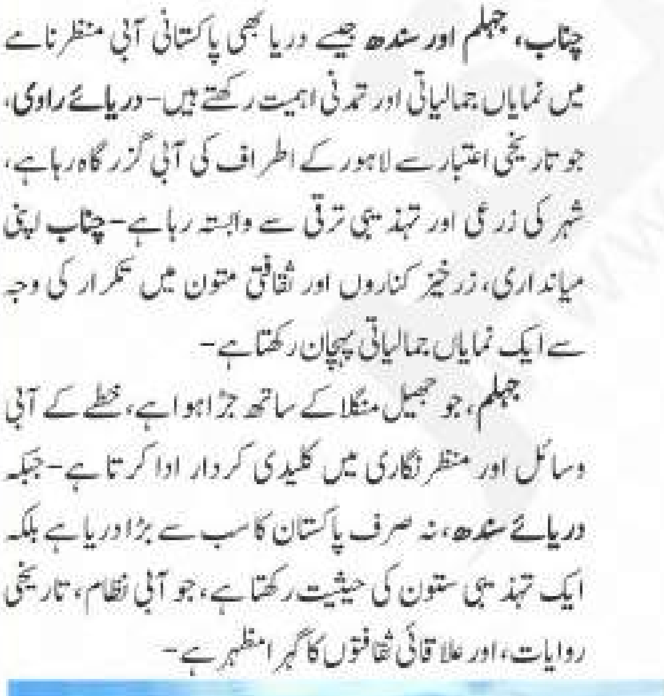

[6](الحج:63) [7](طٰہٰ:54) [8](النمل:60)

[9]Gleick, Peter H. "Water and Conflict," International Security 18.1 (1993): 79–112 Barnaby, Wendy. "Do nations go to war over water?" Nature, vol. 458, 2009, pp. 282–283

[10]https://www.unesco.org/reports/wwdr/en/2025/environment, Ma, J., et al. (2024). Hydro-heritage and gendered water experiences in Swat, Pakistan. SAGE Journals UNESCO (2023)

پاکستان میں آبی وسائل فقط زراعت یا توانائی کے ذرائع نہیں، بلکہ یہ ایک ثقافتی، روحانی، اور جمالیاتی ورثہ بھی رکھتے ہیں-دریاؤں کی روانی، جھیلوں کی لطافت، چشموں کی چمک اور بارش کی نغمگی، یہ تمام مل کر اس ملک کو ایک فطرتی جمالیاتی گہوارہ بناتے ہیں-پاکستان وہ سرزمین ہے جسے فطرت نے پانی کے حسین مظاہر سے نوازا جیسے دریا، جھیل، چشمے، نہریں، برفاب، بارش، ہر مظہر گویا جمال کی تسبیح ہے، جو آنکھ سے دیکھی اور دل سے محسوس کی جاتی ہے-

یہاں پانی صرف زراعت یا توانائی کا موجب نہیں، بلکہ وہ خاموش شاعر ہے، جو وادیِ سوات میں سرگوشی کرتا ہے تو کبھی چترال میں بانسری بنتا ہے اور کبھی جھیل سیف الملوک میں وہ خاموش جذبہ بن جاتا ہے، جو فطرت کی گہرائیوں کو دیکھنے والے دل میں خود بخود بیدار ہو جاتا ہے؛ ایک ایسا جذبہ جو انسانی جمالیاتی شعور کو چپ چاپ جگاتا ہے-صوفیاء کرام نے بھی پانی کو کبھی دل کی صفائی، کبھی ”عشق حق کی روانی“ اور کبھی خامشی کی عبادت قرار دیا-یہ تحریر، دراصل پانی کی ماہیت، روح اور جمال کو تحقیقی اور فکری عدسہ سے دیکھنے کی ایک کوشش ہے-یہاں پانی کو صرف ماحولیاتی تناظر میں نہیں بلکہ روحانی، جمالیاتی اور ثقافتی معنویت کے ساتھ دیکھا گیا ہے بلکہ یہ تحریر ایک ایسی معنویت کی طرف ہمیں دعوت دیتی ہے کہ ہم پانی کو محض مائع نہیں، ایک پیغام سمجھیں-پاکستان کی سرزمین صرف دریاؤں کی گزرگاہ نہیں بلکہ پانی کی لطافتوں کا ایک جمالیاتی مرقع ہے، جہاں دریا صرف زراعت کے اسباب ہی نہیں بلکہ تہذیبی حافظے، روحانی سرور اور فطری حسن کے امین بھی ہیں-دریائے سندھ، جسے مقامی صوفیا نے ”زندہ روح کا دھارا“ قرار دیا، محض ایک طبعی بہاؤ نہیں، بلکہ ایک تمدنی اور ثقافتی دھارا ہے، جو لاکھوں سالوں سے اس خطے کو زندگی بخشتا چلا آ رہا ہے-یا تھر کی پیاسی ریت میں ابھرنے والے کنوئیں ہر ایک آبی مظہر پاکستان کے جمالیاتی تشخص کا آئینہ دار ہے-یعنی پانی محض ایک کیمیاوی مرکب نہیں بلکہ ”اللہ کی رحمت کا مظہر“ ہے، جس میں طہارت بھی ہے، جمال بھی اور کائناتی ترتیب بھی-پاکستان کے آبی مناظر میں ہمیں نہ صرف فطرت کا حسن نظر آتا ہے، بلکہ صوفیانہ فکر، شاعری، لوک کہانیوں اور ثقافتی ادراک کی وہ پرتیں بھی جلوہ گر ہوتی ہیں، جو اس دھرتی کو صرف جغرافیہ نہیں بلکہ جمال کا ایک شعری استعارہ بنا دیتی ہیں-

پاکستان کے مشہور آبی مقامات میں دریائے سندھ سرفہرست ہے جو اپنی تہذیب، تاریخ اور روحانیت کا مظہر ہے-ہنزہ کی جھیلیں جو خاموشی میں بھی خوبصورتی کو آشکار کرتی ہیں رومانس اور لوک داستانوں کی جھیل میں سیف الملوک اپنا سحر کا حصار قائم رکھتی نظر آتی ہے اور کہیں وادی نیلم کی آبشاریں تو کہیں سوات کے بہتے چشمے، کالام، کنہار وغیرہ اپنی فطری مناظر میں بے مثال ہیں-بارش کا موسم بھی آبی جمال میں نہایت اہمیت رکھتا ہے-زراعت ہو یا شاعری، موسیقی، دستاویزی فلم اور لوک گیت میں بارش کا ایک خاص جمالیاتی مقام نظر آتا ہے-

پاکستان میں آبی جمالیات اور صوفیانہ فکر:

صوفیاء کے ہاں پانی ایک ”معمولی مائع“ نہیں بلکہ ”ماورائی علامت“ ہے: یہ عشق، صفائی، خدا کی طرف بہاؤ اور انسانی ذات کے لطیف شعور کی علامت ہے-پاکستان کے صوفی مکاتب، سندھ، پنجاب، پختونخوا، بلوچستان، کشمیر، سب ہی نے پانی کو باطن کی روشنی، نفس کا تزکیہ اور عشق الٰہی کی موج کے طور پر پیش کیا ہے-پانی کو اکثر تصوف میں قلب کی صفائی، روح کی طہارت اور تجلی ربانی کا وسیلہ سمجھا گیا ہے-بلھے شاہؒ، وارث شاہؒ، شاہ لطیف بھٹائیؒ کے کلام میں دریاؤں کا ذکر ایک باطنی راستہ بھی ہے-پاکستان کے دیگر صوفیا کی طرح سلطان حق باھو (رحمۃ اللہ علیہ) بھی اپنے مشہور کلام ”الف اللہ چنبے دی بوٹی“ کے دوسرے مصرعے میں آپ فرماتے ہیں ”نفی اثبات دا پانی ملیا ہر رگے ہر جائی ھو“-اس میں قابل توجہ بات یہ ہے کہ صوفیا ہمیشہ فطرت سے قریب ترین اشیا سے تشبیہ دیتے ہوئے انسانیت کو اللہ کا پیغام دیتے ہیں-آپ اپنے کلام پاک میں روحانی اور جمالیاتی تصور کو بیان کرتے ہوئے آب

حیات، دریا، سمندر سے تشبیہ دیتے ہوئے باطن کی سچائی، معرفتِ الٰہی اور وجودی سفر کو بیان فرماتے ہیں۔ آپ کا آبِ حیات کا تصور عشقِ حقیقی سے وابستہ ہے۔

دل دریا خواجہ دیاں لہراں گھمن گھیر ہزاراں ھو
جس کدی نوں ڈھاہ ہیٹھ اج ڈھٹی کل ڈھائی ھو

ادب، شاعری اور آرٹ میں آبی جمالیات:

بارش، دریا، آنسو، قطرہ جیسے الفاظ اردو شاعری میں کثرت سے جمالیاتی علامت کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ علامہ اقبال کا مشہور شعر ہے:

زندگی قطرے کی سکھلاتی ہے اسرارِ حیات
یہ کبھی گوہر، کبھی شبنم، کبھی آنسو ہوا

پاکستان کے پینٹرز جن میں صادقین وغیرہ نے بھی پانی کے جمال کو مختلف روپ میں پیش کیا ہے۔ پاکستان کی لوک ادب، صوفی کلام (سیف الملوک، شاہ لطیف) اور تازہ ادبیات میں پانی روح و جمال کا لازمی جزو ہیں۔

جغرافیائی لحاظ سے آبی جمالیات:

عالمی سطح پر جغرافیائی لحاظ سے آبی جمالیات میں قابلِ ذکر تین طرح کے ذخائر بیان کیے جاتے ہیں:

گلیشیئرز: تقریباً 170000 کلومیٹر برفانی ڈھانچے، دنیا بھر کے فریش واٹر کا اہم بنیادی ذخیرہ ہیں۔

جھیلیں: سطحی پانی کے قدرتی جمع شدہ راستے؛ مثلاً کاسپیئن، بائی کال میں نمایاں۔ زیرِ زمین پانی: ریت، چونے اور مٹی میں محفوظ پانی، جو انسان کے استعمال کے لیے کلیدی ہیں۔ یہ تینوں اکائیاں زمین کی جغرافیائی شکل، موسم، زمینی ساخت اور ماحولیاتی توازن کے لیے نہایت اہم ہیں۔

ہم اس مضمون میں آبی جمالیات میں سب سے اہم جمال گلیشیئرز پر بات کریں گے جو کہ موجودہ موسمی تغیرات اور گلوبل وارمنگ کی وجہ سے اثر انداز ہو رہے ہیں۔ دیکھا جائے تو دنیا میں سب سے زیادہ گلیشیئرز انٹارکٹیکا میں پائے جاتے ہیں، جو دنیا کی میٹھے پانی کی تقریباً 70 فیصد مقدار اپنے اندر محفوظ رکھتا ہے۔ اس کے بعد گرین لینڈ کا نمبر آتا ہے۔ تاہم اگر ہم گلیشیئرز کی تعداد کے لحاظ سے بات کریں تو پاکستان کا ہمالیائی، قراقرم اور ہندوکش سلسلہ دنیا کے ان علاقوں میں شامل ہے جہاں قطب شمالی اور جنوبی کے علاوہ سب سے زیادہ گلیشیئرز موجود ہیں۔[11]

پاکستان:

براعظم جنوبی ایشیا میں واقع ہے جہاں ہمالیہ کے گلیشیئرز سے نکلنے والے دریا اور زیرِ زمین پانی کے ذخائر موجود ہیں۔ پاکستان کی 90 فیصد زراعت دریاؤں پر منحصر ہے پاکستان کے شمالی علاقہ جات میں موجود 7000 سے زائد گلیشیئرز اور دنیا کا سب سے بڑا غیر قطبی گلیشیئر (سیاچن) ہے نیز زیرِ زمین پانی کے ذخائر (Indus Basin Aquifer) دنیا کے بڑے ذخائر میں شامل ہیں۔ قدرتی چشمے، جھیلیں، دریا، مون سون بارشیں۔ سب کچھ موجود ہے لیکن پانی جتنا قدرتی حسن ہے، اتنا ہی سیاسی ہتھیار بھی بن سکتا ہے۔ پاکستان قدرت کا ایک حسین شاہکار ہے جس کے پہاڑ، گلیشیئرز، دریا اور جھیلیں نہ صرف اس کا حسن ہیں بلکہ بقا کا ذریعہ بھی۔ اقوام متحدہ (UN) اور عالمی ادارۂ صحت (WHO) کی رپورٹس خبردار کرتی ہیں کہ اگلے 20 سے 30 برسوں میں دنیا کی کئی ریاستیں پانی کی شدید قلت کا شکار ہوں گی اور پانی عالمی تنازعات کی سب سے بڑی وجہ بن جائے گا۔[12]

پاکستان کے نمایاں گلیشیئرز:

- سیاچن گلیشیئر (Siachen Glacier) – 76 کلومیٹر
- بیافو گلیشیئر (Biafo Glacier) – 67 کلومیٹر
- بالتورو گلیشیئر (Baltoro Glacier) – 63 کلومیٹر

[11] National Snow and Ice Data Center (NSIDC):
[https://nsidc.org/cryosphere/glaciers](https://nsidc.org/cryosphere/glaciers
UNEP Report on Glacial Melt: [https://www.unep.org/resources/report/global-glacier state]
(https://www.unep.org/resources/report/global-glacier-state
[12] [UN Water Scarcity Report](https://www.unwater.org/water-facts/scarcity)(earth.org, cissajk.org.pk)
The Melting Glaciers of Pakistan: A Looming Crisis

- پاسو گلیشیئر، ہسپر، بیپر، منتوکا، رش، وغیرہ ہیں۔ یہ گلیشیئرز نہ صرف قدرتی حسن کا حصہ ہیں بلکہ پاکستان کے دریاؤں (خصوصاً دریائے سندھ) کا اصل ماخذ بھی یہی ہیں۔[13]

عالمی سطح پر گلیشیئرز کی اہمیت:

گلیشیئرز زمین پر میٹھے پانی کے ذخائر کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔ ان کے پگھلنے سے سمندری سطح بلند ہو سکتی ہے۔ گلوبل وارمنگ کے باعث گلیشیئرز تیزی سے پگھل رہے ہیں، جو انسانی بقا کے لیے ایک بڑا خطرہ ہے۔ پاکستان کا شمالی علاقہ (HKKH) دنیا کا سب سے بڑا غیر قطبی گلیشیئر بیلٹ ہے، تقریباً بارہ ہزار (5000 گلیشیئرز اور 16,933km^2 رقبہ کرتی ہیں۔[14] گلوبل وارمنگ کے پاکستان پر خطرات بھی موجود ہیں۔ بین الاقوامی موسمیاتی ماڈلز SSP-126, SSP-585 کی روشنی میں 2100ء تک HKKH گلیشیئرز کا ڈرامائی سکڑاؤ ممکن ہے۔[15] PDD (Peaks Dumplines & Deposition میں اضافہ، flash floods، اور GLOFs جیسی بڑے خطرات جنم لے سکتے ہیں۔[16]

پاکستان میں شہری و دیہی آبی جمالیات میں نہریں، کنوئیں، تالاب دیہی خوبصورتی کا حصہ ہیں۔ شہری جمالیات میں لاہور کے باغات میں نہری نظام، پارکوں میں فوارے اور نہر ایک جمالیاتی علامت ہے۔

پاکستان کے پانی کا ڈیٹا (Frontiers article):

JWCC (2024) مضمون میں بتایا گیا کہ پاکستان کے پانی کے مجموعی ذخائر میں surface اور aquifers دونوں میں تیزی سے کمی واقع ہو رہی ہے۔[17]

IPCC-AR6 رپورٹ میں جنوب ایشیائی حصہ میں تبدیلیاں، پانی کے بہاؤ اور ذخائر کے بحران ریکارڈ کیے گئے ہیں۔[18]

WHO/WRI نے "پاکستان میں پانی کا دباؤ" رپورٹ میں پیشگوئی کی کہ 2020ء تک پاکستان شدید واٹر اسٹریس کی زد میں آئے گا۔[19]

پاکستان کی آبی پالیسی، اقدامات اور موجودہ حکمتِ عملی پر چند تجاویز:

پاکستان میں پانی سے متعلق پالیسی سازی کے کئی اہم ادارے اور منصوبے موجود ہیں، مگر ان کا عملی نفاذ اور سیاسی ہم آہنگی ناکافی ہے۔ نیشنل واٹر پالیسی (2018) پاکستان کی پہلی جامع آبی پالیسی جس کے مقاصد پانی کی فراہمی، تحفظ، تقسیم، آلودگی کنٹرول تھی لیکن عمل درآمد کا نظام کمزور، صوبائی اختلافات برقرار نظر آتے ہیں۔[20]

ڈیم منصوبے جن میں دیامر بھاشا ڈیم (بننے کے مراحل میں، 2028 متوقع تکمیل) مہمند ڈیم، داسو ہائیڈرو پاور اگر مکمل ہوں تو 13-15 MAF اضافی پانی ذخیرہ ہو سکے گا۔ پاکستان کو کم از کم 30 MAF سالانہ ذخیرہ کرنے کی صلاحیت چاہیے۔ دیامر بھاشا اور مہمند جیسے منصوبے بروقت مکمل کیے جائیں۔[21]

[13]https://epicexpeditions.co/blog/pakistan-glaciers/#:~:text=Understand%20the%20glacier%20beforehand,treated%20with%20the%20utmost%20caution
[14]sciencedirect.com
[15]link.springer.com
[16]-(pmc.ncbi.nlm.nih.gov: گلوبل وارمنگ کے باعث گلیشیئر لیکس کا خطرہ، کو صفحہ ۱۰ پر بیان کیا گیا ہے Shrestha, A. B., et al. (2012)
Glacial lake outburst floods at Himalaya, Journal of Hydrology, 412 413, pp. 7–16.
[17]time.com
[18](ipcc.ch)
[19]ipripak.org
Ishaque, W., Sultan, K., & ur Rehman, Z. (2024)
Water management and sustainable development in Pakistan: Environmental and health impacts of water quality on achieving the UNSDGs by 2030, Frontiers in Water, 6:1267164.
Introduction, صفحہ 1-3: پاکستان کے شہروں میں پانی کے معیار کا خاکہ۔
Results, صفحہ 7-10: قریب 80% پانی آلودہ پایا گیا (جدول 2) (frontiersin.org, frontiersin.org)-
[20]Ministry of Water Resources, Pakistan
[21]https://www.wapda.gov.pk/

بارش کے پانی کا ذخیرہ اور ضیاع کی روک تھام، جیسا کہ Rainwater Harvesting Brief بیان کرتا ہے، ضروری اقدامات میں شامل ہیں۔[22]

واٹر میٹرنگ اور قیمت گھریلو اور صنعتی سطح پر پانی کے استعمال کی نگرانی کو یقینی بنایا جاتا تھا مگر عملی طور پر نہ شہری علاقوں میں واٹر میٹرز نصب ہیں نہ ہی پانی کا باقاعدہ معاوضہ لیا جاتا ہے۔

آگاہی مہمات: بعض NGOs اور یونیورسٹیز نے مقامی سطح پر آگاہی مہمات کا آغاز کیا مگر حکومتی سطح پر عوامی تربیت اور پانی کے تحفظ پر کوئی مؤثر قومی پروگرام نظر نہیں آتا۔ زراعت میں جدید ٹیکنالوجی کا استعمال، ڈرپ ایریگیشن، اسمارٹ سینسرز، لینڈ لیولنگ، پانی کی بچت 30–50 فیصد تک ممکن ہے۔ شہری سطح پر واٹر ہارویسٹنگ سسٹمز: ہر گھر، اسکول اور ادارے میں بارش کے پانی کو جمع کرنے کے نظام متعارف کرائے جائیں جیسے دیگر ممالک میں یہ قانوناً لازم ہے (جیسے سنگاپور) صنعتی آلودگی کا کنٹرول کے لیے فیکٹریز کے لیے ری سائیکلنگ واٹر ٹریٹمنٹ پلانٹس لازمی قرار دیے جائیں، دریاؤں میں فضلہ ڈالنے پر سخت سزا دی جائے۔ حکومتی سطح پر اسکولوں، جامعات اور میڈیا میں "پانی کی تعلیم" کو شامل کیا جائے۔ پانی کو بطور نعمت اور قومی امانت سکھایا جائے قومی سطح پر آبی اتحاد، وفاق اور تمام صوبوں میں مشترکہ پالیسی پر اتفاق، ہر سال "یوم تحفظِ آب" قومی سطح پر منایا جائے۔

سائنس و جغرافیہ کی روشنی میں مستقبل کی جانے والی کوششوں میں DEMs، GIT، SRS ٹیکنالوجی استعمال کر کے پاکستان میں گلیشیئر کیچ اور آبی بہاؤ کی رفتار پر تجزیہ کیا جا رہا ہے۔[23] SSP ماڈلز بتاتے ہیں کہ اگر گرین ہاؤس گیسوں میں کمی نہ کی گئی تو 2100ء تک پانی کا فاصلہ محال اور موسمی بے ترتیبیاں بڑھ سکتی ہیں۔

عالمی اداروں (UN, WHO, IPCC) کی رپورٹس میں IPCC AR6 WGII Chapter 4 میں بتایا گیا ہے کہ موسمیاتی تبدیلیاں پانی کے وسائل پر بہت بڑا دباؤ ڈال رہی ہیں۔[24]

بلوچستان میں موسمیاتی اثرات کو Introduction & Discussion میں گلیشیئرز، aquifers اور موسمیاتی پریشانیوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔[25]

پاکستان میں، جہاں پانی نہری نظام، دریا، جھیلیں اور چشموں کی صورت میں ہماری تہذیب، ثقافت اور معیشت سے جڑا ہوا ہے، وہاں اس کی حفاظت دراصل قومی غیرت کا تقاضا ہے۔ پانی کی موجوں میں جو حسن و جمال ہے اس سے مستفید ہونے کے ساتھ یہ بھی ہمیں ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ پانی کو حفاظت، صفائی اور اعتدال سے استعمال کرنا خود ایک جمالیاتی عمل ہے۔ جب وہی پانی آلودہ ہو، بے قدری کا شکار ہو، یا سیاسی مداخلت کا نشانہ بنے، تو وہ صرف ماحولیاتی بحران نہیں، جمال کا زوال ہوتا ہے۔ آبی جمالیات، صرف مناظر کی خوبصورتی کا بیان نہیں، بلکہ یہ انسان، خدا، فطرت اور تہذیب کے باہمی ربط کا لطیف اظہار ہے۔ پاکستان میں پانی کی جمالیات کو صرف محسوس نہیں بلکہ محفوظ کرنا بھی ہماری تہذیبی، اخلاقی اور شرعی ذمہ داری ہے۔ پانی ایک ایسی الٰہی نعمت ہے: جس سے ہر شے زندہ ہے جس کا استعمال سب کا حق ہے جس کی قلت فتنہ اور ظلم کا پیش خیمہ بن سکتی ہے۔ پانی فطرت کا وہ نازک جمال ہے جس میں زندگی کی روانی اور تہذیب کی روشنی بہتی ہے۔ اس سے لطف اندوز ہونا تو فطری ہے، مگر اس کی حفاظت، صفائی اور اعتدال سے استعمال کرنا بھی ایک جمالیاتی، اخلاقی، قومی فریضہ اور وطن سے وفاداری کا عملی اظہار ہے۔

☆☆☆

---

[22] pcrwr.gov.pk [23] mdpi.com [24] ipcc.ch

[25] Ishaque, W., & Zia ur Rehman, M. (2025 Impact of Climate Change on Water Quality and Sustainability in Baluchistan, Sustainability, 17(6), 2553 mdpi.com

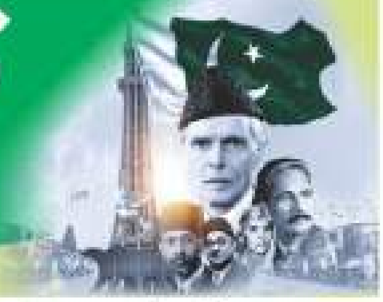

قوتِ اخوتِ عوام

محمد ذیشان دانش

جب تاریخ انسانی کے اوراق کو پلٹا جائے تو یہ حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ قوموں کی بقا اور ترقی کا راز صرف عسکری طاقت، اقتصادی خوشحالی یا جغرافیائی وسعت میں نہیں، بلکہ ایک ایسی اخلاقی و روحانی طاقت میں پوشیدہ ہوتا ہے جسے "اخوت" کہا جاتا ہے- یہی وہ جذبہ ہے جو افراد کو قوم میں تبدیل کرتا ہے اور ایک منتشر ہجوم کو متحد و منظم قوت میں ڈھال دیتا ہے- اس اخوت کی اصل قوت عوام کی سطح پر پروان چڑھتی ہے-

اخوت کا مفہوم عام طور پر بھائی چارے، ہمدردی، محبت اور یگانگت سے تعبیر کیا جاتا ہے، مگر یہ تصور اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے- یہ ایک ایسی فکری، سماجی اور روحانی بنیاد ہے جو انسان کو انسان سے جوڑتی ہے، دلوں کو قریب لاتی ہے اور ایک اجتماعی شعور پیدا کرتی ہے- اخوت ایک اسلامی اصول ہے جو نسل، زبان، رنگ، قوم، ذات کے تعصبات کو ختم کر کے انسانیت کو ایک لڑی میں پرو دیتا ہے-

اخوت ان تصورات میں شامل ہے جو کسی قوم کی اجتماعی بقاء، فکری وحدت اور روحانی ترقی کا مرکز ہوتے ہیں- اخوت کا عظیم تصور قوم کے دل و اذہان میں ہم آہنگی، ہمدردی اور محبت کا نقش کندہ کرتا ہے جو افراد کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ کر ایک ناقابلِ تسخیر قوم میں تبدیل کر دیتا ہے- جب یہ جذبہ عوامی سطح پر اپنی اصل روح کے ساتھ زندہ ہو، تو یہی اخوت ایک "قوت" بن جاتی ہے؛ ایسی قوت جو جنگ، بحران، افلاس اور بیرونی سازشوں کے باوجود قوم کو ٹوٹنے نہیں دیتی-

اسلام میں اخوت کی تاریخ مکی دور میں بھی ملتی ہے اور مدنی دور میں بھی، جہاں دکھ درد اور خوشی کو بانٹنے کے لئے، مقاصد و ترجیحات کو قائم کرنے اور ان کے حصول کے لئے، عملی جدوجہد سے ایک یقینی نتیجہ اخذ کرنے کے لئے مواخات کا سلسلہ قائم کیا گیا، کہنے دیکھنے سننے کو تو یہ ایک چھوٹی سی تقریب تھی جس میں مسلمانوں کو مسلمانوں کا بھائی بنایا گیا، اور یہ سلسلہ آپ (ﷺ) کے بعد خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی قائم رہا- اخوت و بھائی چارے کی مثالیں زمانہ جہالیت کی تاریخ سے بھی ملتی ہیں لیکن جو مواخات آقا پاک (ﷺ) نے قائم فرمائی اس فیصلے کو مسلمانوں نے ایسا قبول کیا کہ اپنی جائیداد میں وراثت کا حق دینے کے لئے بھی رضامند ہو گئے- آقا کریم (ﷺ) کے اس فیصلے کے دور رس نتائج ایسے سامنے آئے کہ مکہ تو ایک قلیل مدت میں فتح ہوا اور اسلام کا بول بالا ہو گیا لیکن مسلمانوں نے روم و ایران جیسی سپر پاورز کو بھی مطیع و فرمابردار بنالیا- یہ فقط عسکری طاقت کی بدولت نہ تھا بلکہ جذبہ ایمانی اور قوتِ اخوت کے باعث بھی تھا-

قوتِ اخوتِ عوام، فقط ایک نعرہ یا مصرعہ نہیں بلکہ ایک نظام کا انتہائی اہم حصہ ہے جو قوموں کی زندگی بناتا بھی ہے اور بگاڑتا بھی- قوتِ اخوتِ عوام ہمارے عظیم قومی ترانے کا مصرعہ ہے- قومی ترانے کے بارے میں مختصراً بتاتا چلوں کہ قومی ترانے کی دھن 1949ء میں ترتیب دی گئی، 1952ء میں ابوالاثر حفیظ جالندھری نے قومی ترانہ لکھا ان کا ایک عظیم کارنامہ شاہنامہ اسلام بھی ہے- ایس ایم اکرم کی صدارت میں قائم ہونے والی نیشنل سانگ سلیکشن کمیٹی کے نو ممبران تھے جن میں ابوالاثر حفیظ جالندھری بھی شامل تھے اس کمیٹی میں سردار عبدالرب نشتر، پروفیسر چکرورتی، چودھری نذیر احمد، ذوالفقار علی بخاری، پیرزادہ عبدالستار،

اے ڈی اظہر، نسیم الدین شامل تھے- کمیٹی کو 723 ترانے موصول ہوئے جن میں سے کمیٹی نے حفیظ جالندھری، حکیم احمد شجاع اور سید ذوالفقار علی بخاری کے ترانے منتخب کیے- مکمل جانچ کے بعد حفیظ جالندھری کے ترانے کو دھن کے مطابق عین معیاری قرار دیا گیا- جس کے بعد 4 اگست 1954ء کو مرکزی کابینہ نے حفیظ جالندھری کے ترانہ کو بطور قومی ترانے کے منظور کر لیا- اس سارے عمل میں تقریباً 5 سال کا عرصہ لگا-

پاکستان کی تخلیق ہی اس اخوت کے جذبے پر ہوئی جس نے برصغیر کے بکھرے ہوئے مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر مجتمع کر دیا- یہ وہ دور تھا جب قومیت کے جدید تصورات رنگ، نسل، زبان اور جغرافیہ کے پیمانوں سے وابستہ تھے، ٹوپی و تسبیح سے لیس، محراب و منبر سے، کانگریس کی خوشنودی اور انگریز کی ایما پر ارضی ہم آہنگی کے راگ الاپے جا رہے تھے، لیکن مسلمان اپنے الگ تشخص، الگ تہذیب اور الگ روحانی وحدت کے امین ہونے کی معرفت سے بہرہ مند تھے- وہ پنجاب، بنگال، سندھ، سرحد اور بلوچستان جیسے مختلف علاقوں سے تعلق رکھتے تھے، ان کی زبانیں، رسم و رواج اور ثقافتیں مختلف تھیں، لیکن ان سب کو جو چیز ایک قوم میں ڈھال رہی تھی، وہ اسلام کی مشترکہ تہذیبی و روحانی میراث تھی- یہی وہ تصورِ اخوت تھا جسے علامہ اقبال نے اپنے خطبہ الٰہ آباد (1930) میں فلسفیانہ بنیاد پر واضح کیا، اور قائداعظم محمد علی جناح نے سیاسی حکمتِ عملی میں ڈھال کر ایک علیحدہ ریاست کی صورت میں حقیقت کا روپ دیا-

یہی تصورِ اخوت آج بھی پاکستان کی روح ہے- یہ ایک ایسی روحانی قوت ہے جو قومی شناخت کا سرچشمہ بھی ہے اور اجتماعی بقا کی ضمانت بھی- جب بھی پاکستان کو کسی بڑے چیلنج، آزمائش یا بحران کا سامنا ہوا، چاہے وہ زلزلے کی تباہ کاریاں ہوں، سیلاب کی یلغار، دہشت گردی کی لہریں، سیاسی افراتفری، یا بھارت جیسے دشمن کی جانب سے درپیش بیرونی خطرات تو پاکستانی عوام نے ہر بار اخوت، ایثار اور اتحاد کی وہ مثالیں قائم کیں جو دنیا کے دیگر معاشروں کے لیے مشعلِ راہ بن سکتی ہیں-

اخوت کا یہی جذبہ ہے جو ایک عام مزدور کو بھی ایک سپاہی کی طرح فرض کی راہ پر گامزن کر دیتا ہے اور ایک طالب علم کو بھی قوم کے مستقبل کا محافظ بنا دیتا ہے- یہ وہ جذبہ ہے جس کے تحت ایک شہری اپنے محدود وسائل کے باوجود اپنے متاثرہ بھائی کے لیے آہنی دیوار بن جاتا ہے اور ایک قوم بکھرنے کے بجائے آپس میں مزید جڑ جاتی ہے- اخوت کی یہ عملی جھلکیاں ہمیں ہر اُس موقع پر نظر آتی ہیں جب پوری قوم "ایک جان، ایک آواز" بن کر ابھرتی ہے- درحقیقت، یہی "قوتِ اخوتِ عوام" پاکستان کے نظریاتی خدوخال کو زندہ رکھے ہوئے ہے اور اسے ایک روشن مستقبل کی طرف لے جانے میں کلیدی کردار ادا کر رہی ہے-

ہمیں وہ وقت یاد ہے جب بھارت نے پانچ ایٹمی دھماکے کیے اور پاکستان کو دھمکانے کی کوشش کی لیکن پاکستان نے اس دھونس کو ماننے سے انکار کیا اور بدلے میں چھ ایٹمی دھماکے کیے اور ملکی دفاع کو ناقابلِ تسخیر بنایا، قوم میں ایک ایسا جذبہ اخوت دیکھنے کو مل رہا تھا کہ اس کی نظیر نہیں ملتی - ہر کوئی خوش تھا، مٹھائیاں بانٹی جا رہی تھیں، شمشیر و سناں کی تیز دھار کا جشن طاؤس و رباب و ڈھول و شہنائی کی گونج میں منایا جا رہا تھا، پوری قوم یک آواز تھی، جہاں اپنے سائنسدانوں، پالیسی سازوں اور فیصلہ سازوں کے ترانے گائے جا رہے تھے وہیں بھارتی وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی کا شکریہ ان الفاظ میں ادا کیا جا رہا تھا:

واجپائی تیرا شکریہ تو نے سوئی قوم کو جگا دیا!

یہ سونا گیا تھا، یہ رشتہ اخوت کی ذرا کمزوری تھی، یہ اس بات کو ذرا بھول جانے کا اقرار تھا کہ ہر قیمت پہ ملک و قوم کا دفاع کریں گے، آج ایٹم بم بن گیا، عامی پابندیاں لگ گئیں لیکن رشتہ اخوت مضبوط ہو گیا، مشکل کو قوم نے ہنس کر سہہ لیا کیونکہ ایک دوسرے کا دکھ درد بانٹنے کی اہلیت بڑھ گئی تھی۔

کچھ ناعاقبت اندیش قوم سے اسی جذبہ اخوت کو نکالنا چاہتے ہیں، اسے سرد و بے مہر کرنا چاہتے ہیں، علاقائیت کو اجتماعیت پر، انفرادیت کو قومی زندگی پر ترجیح دینا چاہتے ہیں، اغیار کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں، اپنی خودی کو بیچ چکے ہیں، مواخات سے نکل چکے ہیں، اپنی بنیادوں کو الگ کرنا چاہتے ہیں اور اپنی میراث کو قبول کرنے سے انکاری ہیں۔ دشمن ان کے ذریعے قوم سے اخوت و بھائی چارے کے جذبہ حب الوطنی کو نکال دینا چاہتا ہے، مفادات کا کھیل ہے، سوشل میڈیا پر ویڈیو عام ہوئی کہ ہتھیار نہ خریدو، دو عدد رائفل کے پیسے ان پر لگا دو جو ہمارا آلہ کار بن چکے ہیں، اپنے مقاصد حاصل کر لو گے۔ لیکن یہ نادان جانتے نہیں کہ پاکستانی قوم، قوت اخوت پر کھڑی ہے چاہے سیلاب ہو زلزلے ہوں، یا کوئی اور آفات دنیا نے دیکھا کہ زلزلہ آیا اتنی امداد کی گئی کہ اعلانات ہوئے کہ اب مزید امداد کی ضرورت نہیں، حالانکہ موسم کی شدت اپنے عروج پر تھی، دہشتگردی کا مسئلہ اٹھا، یونیورسٹیز میں طلباء نے آئی ڈی پیز طلبا کی فیس اپنے جیب خرچ سے دینا شروع کر دی، حکومت نے ان کی فیس و دیگر اخراجات منع کر دیئے، ہاسٹل ان کو دے دیئے گئے، خاندانوں نے ایک ایک خاندان کی کفالت کی ذمہ داری اٹھا لی، یہ قوم سکھ میں تھوڑا سہل پسندی کی طرف جاتی جسے دیکھ کر لوگ دو رائفل کی قیمت میں اپنے ناپاک عزائم کو پورا کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ بھول جاتے ہیں کہ یہ وہ ہیں کہ:

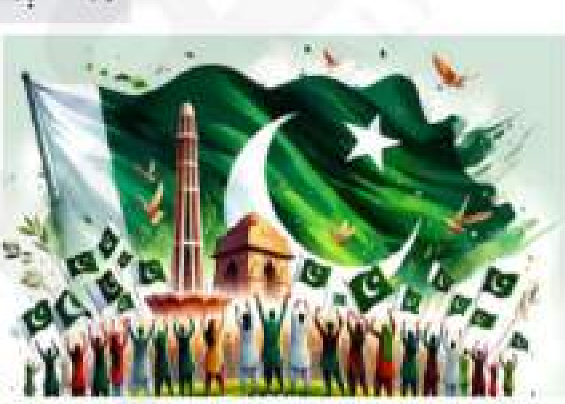

تیری محفل کا بھرم رکھتے ہیں سو جاتے ہیں
ورنہ یہ لوگ تو بیدار نظر آتے ہیں

قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا بھارت نے نہ جانے کس زعم میں آپریشن سندور لانچ کر دیا۔ جس کے نتیجے میں پاک فوج نے آپریشن بنیان مرصوص کی صورت میں اپنی پیشہ ورانہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا جسے دنیا نے دیکھا اور اس کا اعتراف کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ پاکستانی عوام نے بھارتی جارحیت کے خلاف اپنے سیکیورٹی اداروں، حکومت اور ایک دوسرے کے ساتھ جس وفاداری اور اتحاد کا مظاہرہ کیا، وہ "قوتِ اخوتِ عوام" کی سب سے خوبصورت اور قابل دید مثال ہے۔

کیونکہ پاکستان کا قومی ترانہ بھی کہتا ہے کہ:

پاک سر زمین کا نظام
قوتِ اخوتِ عوام
قوم ملک سلطنت
پائندہ تابندہ باد
شاد باد منزلِ مراد

پاکستان کے قومی ترانے پر بے جا اعتراض کرنے والے دراصل اس ترانے کے عظیم فکری و روحانی پیغام سے خوفزدہ ہیں۔

"قوتِ اخوتِ عوام" ایک ایسا فکری، روحانی اور عملی تصور ہے جو کسی قوم کی حیاتِ اجتماعی کو نئی جہت دیتا ہے۔ پاکستان کے عوام میں یہ جذبہ موجود ہے اور وقتاً فوقتاً اس کا مظاہرہ ہوتا رہا ہے۔ مگر اب وقت آ چکا ہے کہ ہم اس اخوت کو عارضی مواقع تک محدود نہ رکھیں، بلکہ اسے ایک مستقل قومی رویہ بنا لیں۔ ادب، تعلیم، مذہب، سیاست اور میڈیا سب کو مل کر ایسا ماحول تشکیل دینا ہوگا جہاں اخوت صرف نعرہ نہ ہو بلکہ ایک زندہ، متحرک اور فعال سماجی قوت ہو تاکہ منزل مراد کو شاد باد ہو کر پا لیا جائے۔

☆☆☆

نظریہ پاکستان

قومی احساس اور سلطان الفقرؒ کا کردار

بابر جان خوازی خیل

جس طرح تیزی سے بدلتے ہوئے دنیاوی تصورات اور رائج الوقت طریقہ کار ارتقاء کے منازل طے کرتے ہوئے جدت اختیار کرتے جا رہے ہیں بعین اسی صورت عالمی جنگی حکمتِ عملیاں اور سازشی منصوبے بھی سادہ لوحی سے بالترتیب انتہائی باریک وارداتوں کی طرف رواں دواں ہیں- جدید دور میں براہِ راست جنگوں کے ساتھ ساتھ قوموں کے اجتماعی شعور کو میدانِ جنگ بنایا جاتا ہے جہاں علم اور معلومات کو بطور ہتھیار استعمال کر کے نظریات و عقائد (جو معاشرے کی بنیاد ہوتے ہیں) پر ایسا حملہ ہوتا ہے جو انسانی اجتماعی شعور کیلئے زہر قاتل ثابت ہوتا ہے- قوموں کو اکثر اوقات نہایت منظم انداز میں ایسے حالات و واقعات سے دو چار کیا جاتا ہے جہاں بگاڑ کے اصل سبب کا ادراک تک مشکل ہو جاتا ہے-

قومی احساس:

کسی قوم کی بربادی کیلئے فقط یہی کافی ہے کے اس کے بدن سے روح چھین لی جائے یعنی قوم کے اس بنیادی اساس کو ختم کیا جائے جس کی بدولت اس کا قومی وجود قائم ہے- ہماری قومی ساخت کو بغور سمجھا جائے تو اس کے بننے میں عقائد، نظریات، تاریخ اور اسلاف کا عمل دخل واضح نظر آتا ہے اور عمومی طور پر کم و بیش یہی اجزائے ترکیبی دیگر قوموں کے وجود میں آنے کا بھی باعث بنتے ہیں- ان عوامل کو نقصان پہنچا کر باآسانی اس وجود (قوم) کو کمزور کیا جا سکتا ہے-

در اصل ان عوامل کی بدولت قوم کے مختلف افراد میں ایک مشترک احساس پیدا ہوتا ہے، جو انفرادی سطح پر ایک دوسرے سے اور اجتماعی سطح پر وطن سے وابستگی کا باعث بنتا ہے- اس مشترک احساس کو ابن خلدون نے اصابیہ (common feelings) کا نام دیا ہے- آسان الفاظ میں اس فلسفے کو سمجھیں تو سب سے پہلے عقائد، نظریات، تہذیب، تاریخ اور اسلاف میں سے کوئی ایک یا چند ایک یا سب مل کر اس مشترک احساسِ اپنائیت کو پیدا کرتے ہیں جس کے ذریعے قوم بنتی ہے- قوم کی اپنی منفرد شناخت کی بنا پر ایک الگ منزل اور مخصوص اجتماعی معاشرتی مقاصد ظاہر ہوتے ہیں- ان مقاصد کے حصول کے لیے ریاست کا قیام عمل میں لایا جاتا ہے- بعد ازاں اس ریاست سے عقیدت اور محبت بھی اسی قومی احساس پر منحصر ہوتی ہے کیونکہ مشترک احساس نہیں تو قوم نہیں اور یہ احساس کسی مشترک قدر یا مقصد کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے جبکہ مقصد نظریے کے زیرِ اثر قائم ہوتا ہے-

وطن عزیز کی موجودہ صورتِ حال کچھ ایسے ہی حالات سے دوچار ہے جہاں اس پر براہِ راست حملے کی بجائے اس کی قومیت کی بنیادی اساس جو کہ وہ قومی احساس اور اس کے اجزائے ترکیبی (نظریہ پاکستان، تاریخ، تہذیب اور اسلاف) ہیں، کو بڑے منظم انداز سے شکوک و شبہات کا شکار کیا جا رہا ہے- ان چار عوامل کی اصل روح سے ناواقفیت یا ان کے اصل خدوخال کے بارے میں بدگمانی اس قومی احساس کا قلع قمع کرتی ہے جس کی بدولت پاکستانی قوم وجود میں آئی ہے- قومیت کے احساس کی عدم موجودگی ہی دراصل وطن سے وابستگی کے جذبے کے خاتمے کا سبب بنتی ہے- تاہم ایسے میں

کچھ شخصیات ایسی نظر آتی ہیں جنہوں نے قوم کے اس احساس کے تحفظ کا ذمہ لیا ہے اور نہایت احسان انداز میں اپنا کردار نبھایا ہے-

بانی اصلاحی جماعت سلطان الفقر حضرت سخی سلطان محمد اصغر علی صاحبؒ کی کاوشوں کو کسی 'سوشل سائنٹسٹ' کی نظر سے دیکھا جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بظاہر درویشی لباس میں ملبوس فقر کے سلطان دراصل معاشرتی علوم کے ایک ایسے ماہر نظر آتے ہیں جو 'سوشل سائنسز' کے باریک نکات اور اصولوں کی روشنی میں عملی زندگی میں درپیش معاشرتی اور قومی مسائل کا حل پیش کرتے ہیں- مثلاً آپؒ نے ایسے وقت میں قوم کو قوم بنانے والے عوامل کے بارے میں ابہام کو ختم کرنے کی سعی کی جب دانشوروں کے نزدیک ابھی یہ عوامل قومی زبوں حالی کے سبب کے طور شمار ہی نہ ہوتے تھے- 'سوشل سائنس' کی تعریف کے مطابق نظریہ انسان کے خیالات و تصورات اور اجتماعی شعور میں جنم لیتا ہے جو قوم کی سمت، مقاصد اور منزل کو واضح کر دیتا ہے- نظریہ بھی (جو قوم کے نصب العین کا تعین کرتا ہے) مذہبی عقائد، تاریخ، تہذیب، اسلاف اور مزاج (psyche) وغیرہ کے زیرِ اثر پروان چڑھتا ہے اور پھر یہی نظریہ جواباً ان عوامل کے تحفظ کا ضامن بن جاتا ہے- لہٰذا نظریے کو ٹھیک کرنے کیلئے آپؒ اس پر اثر انداز ہونے والے عوامل (مذہبی عقائد، تاریخ، تہذیب، فکرِ اسلاف اور نفسیات و مزاج) کی حفاظت و درست ترجمانی و تشریح فرماتے- مقصد قوم کی یکجہتی ہو تو قوم کے اجزائے ترکیبی (عقیدہ، نظریہ پاکستان، تاریخ و فکر اسلاف) کی تعلیم و تشہیر فرماتے اور موضوع اگر معاشرہ یا نظام ہوتا تو اس منطقی عمل کے نقطۂ آغاز (خیالات، تصورات، اجتماعی شعور) پر خصوصی توجہ فرماتے- تاہم آپؒ غیر محسوس انداز سے بظاہر نظر نہ آنے والی اس بنیاد کو درست کرنے کی سعی فرماتے ہیں جس پر قوم و معاشرے کی عمارت تعمیر ہوتی ہے-

مزید برآں آپؒ نے ان گنت ایسے پروگرام ترتیب دیئے جن کا مقصد قومی جذبے اور احساس کی بحالی اور نظریہ پاکستان، تاریخ اور اسلاف کے بارے میں بے جا شکوک و شبہات کا خاتمہ تھا- ماہنامہ مرآۃ العارفین میں شائع ہونے والے متواتر مضامین اور مسلم انسٹیٹیوٹ کے زیرِ نگرانی منعقدہ متعدد سیمینار اور کانفرنسز میں بارہا نظریۂ پاکستان کی اصل روح کو سامنے لایا گیا اور ساتھ ہی تاریخ کی غلط توجیہات کو دلائل اور جدید تحقیق کے ذریعے ختم کروا کر اسلاف و تاریخ کا قابلِ رشک و قابلِ فخر پہلو عوام الناس تک پہنچایا-

"14 اگست 1947ء، 27 رمضان المبارک کو آپؒ کی ولادت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ کی پاکستان سے خاص نسبت اور وابستگی ہے جو کسی خاص حکمت سے خالی نہیں ہے- آپؒ کی بصیرت کے مطابق آپکی خانقاہ سے سعیِ اتحادِ امت (Struggle For the Unity of Ummah) کے عنوان سے پاکستان کے طول و عرض میں سیمینار منعقد کیے گئے- جس کا واحد مقصد ملی احساسِ وحدت کو فروغ دینا تھا- آپؒ نے ہمیشہ عارضی اور مصنوعی بنیادِ قومیت (رنگ، نسل، لسانیت، علاقائیت، صوبائیت، جغرافیائی، فرقہ ورانہ وغیرہ) کی بجائے اسلامی تشخص اور نظریہ کی بنیاد پر قومیت کے تصور کو اجاگر کیا جو اصل، موثر، دیرپا اور وحدت کا ضامن ہے- اس کی خاطر آپؒ نے پاکستان کے ہر ضلع میں خود جاکر پروگرامز منعقد کرائے اور اس فکر پر قومی احساس اجاگر کرنے کی تربیت کا سلسلہ شروع کیا-

افراد کو تسبیح کے دانوں کی طرح دھاگے سے جوڑ کر ایک قوم یا ایک وجود نہیں بنایا جا سکتا نہ ہی قوم کسی لکھے ہوئے معاہدے پر دستخط کرنے سے وجود میں آتی ہے - یہ ایک شعوری اور نظریاتی تسلیم کا حاصل ہے جہاں مختلف افراد اس شعوری تسلیم کے بعد خود کو ایک قوم اور ایک وجود تصور کرنے لگتے ہیں- کوئی بھی قابلِ قبول واحد وجہ، مقصد یا نظریہ قوم کے افراد میں مشترک احساس وابستگی پیدا کرتی ہے- اب عام فہم بات ہے کہ اگر اسی وجہ، مقصد یا نظریہ کو درمیان سے نکال دیں تو پھر وہ مشترک احساس اپنائیت و وابستگی کا وجود بھی قائم نہیں رہ سکتا جس کی وجہ سے قوم قائم ہوتی ہے- اب جب قوم نہیں رہے گی تو وطن سے محبت کا جذبہ، جو جب

الوطنی کہلاتا ہے کہاں باقی رہے گا- لہٰذا یہ شعور میں پہنچنے والا ایک باہم جڑا ہوا عمل مسلسل ہے جہاں ایک جزو میں تغیر و تبدل کے نتیجے میں دوسرا اور دوسرے کے نتیجے میں تیسرا خود بخود متاثر ہوتا ہے- سلطان الفقر حضرت سخی سلطان محمد اصغر علی صاحبؒ اس منطقی عمل کے نقطہ آغاز (شعور، خیال و تصور، احساس، جذبہ، نظریہ) کی نشوونما اور آبیاری فرما کر دراصل اس پورے عمل کو آلودہ ہونے سے بچاتے ہیں- یہی ایک فقیر کی فراست ہے کہ بظاہر کسی عمل میں براہ راست شامل ہوئے بغیر اپنی دور اندیشی اور توجہ سے اس کے ہر حصے پر تعمیری انداز سے اثر انداز ہو- فقیر کے دل میں پائے جانے والے ملک و ملت کے درد اور ان کی طرف سے اصلاحِ معاشرہ کے لیے کی گئی گمنام اعانت کی تاثیر کی چھاپ عمل کے ہر حصے پر نظر آتی ہے- آپ صرف خانقاہ کے سرپرست نہیں بلکہ میدان عمل کے وہ سلطان ہیں جو مشترک احساس و پاکستانی قومیت، نظریہ و تحریک پاکستان، تاریخ اور اسلاف کی اساس کے محافظ ہیں- علاوہ ازیں ان عوامل کی اہمیت کے بارے میں شعور اجاگر کرنے کا نا صرف بیڑہ اٹھا رکھا تھا بلکہ ان کی حسب حال معنویت اور عہد حاضر سے اس کی مطابقت اور تعلق کی تعلیم بھی مسلسل ارشاد فرماتے رہے-

تاریخ تحریکِ پاکستان:

یوں تو اس موضوع پر بہت کچھ لکھا، کہا اور سنا جا چکا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ مزید گنجائش باقی نہیں رہی لیکن قارئین کی آسانی کی خاطر اورنگزیب عالمگیر کی وفات کے بعد سے 1947ء تک کے حالات و واقعات کا پاکستانی قوم بنانے میں کردار کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں- اورنگزیب عالمگیر کی وفات سے قبل برصغیر میں مسلمانوں کی صدیوں پر محیط لازوال عہدِ حکمرانی قائم تھی- 18صدی کے آغاز میں (1705-1706) اورنگزیب عالمگیر کی وفات کے بعد پہلی بار برصغیر میں مسلمانوں کا زوال شروع ہوا جو بتدریج ڈیڑھ سو برس تک سیاسی، سماجی، معاشی، تعلیمی الغرض ہر شعبہ ہائے زندگی میں برپا ہوتے ہوئے بالآخر 1857ء میں مکمل غلامی پہ ختم ہوا- 1857ء سے 1947ء تک حالتِ غلامی میں جد و جہد کا نوے سالہ دور ہے-

حکمرانی سے غلامی اور غلامی سے جد و جہد اور پھر جدوجہد سے آزادی کے اس سفر میں اڑھائی سو برس لگے- پاکستان بنانے کی جستجو یک دم پیدا نہیں ہوئی کہ اچھے بھلے ہندوستان میں رہتے ہوئے مسلمانانِ ہند کو اچانک ایک الگ ملک بنانے کا خیال آ گیا- نظریۂ پاکستان صدیوں پر محیط فکری جدوجہد اور مرحلہ وار شعوری ارتقاء کے نتیجے میں نکھر کر سامنے آیا- کچھ مکاتبِ فکر نظریہ و تحریک پاکستان کو مسلم لیگ، قائداعظم اور علامہ اقبال کی جدوجہد کے تناظر میں دیکھتے ہیں لیکن اسے تاریخی شعوری ارتقائی عمل کے نتیجے کے طور پر نہیں دیکھتے- یہ سوچ ایک دن یا چند برسوں میں نہیں آئی اور نہ ہی یہ چند مخصوص لوگوں کی فکر تھی بلکہ یہ فکری جدوجہد کے آخری مرحلہ کا نتیجہ تھا- مسلمانانِ ہند ان ڈیڑھ سو برسوں میں ہر طرح کی پالیسی اپنا کر اور مسلمانوں کے مسائل کو حل کرنے کی ہر ممکن کوشش کر کے دیکھ چکے تھے- اس دوران اکابرین کی طرف سے بیش بہا افکار پیش کیے گئے جن پر قوم نے کاربند رہ کر بھی دیکھ لیا لیکن کچھ کار آمد ثابت نہ ہو سکا- مثال کے طور پہ (1705-06) سے 1857ء تک ان ڈیڑھ سو برسوں میں مسلمانانِ ہند ہر شعبہ ہائے زندگی میں بتدریج زوال پذیر ہو رہے تھے جبکہ ہندوؤں کیلئے ہر میدان میں گنجائش پیدا ہوتی جا رہی تھی- اس دوران مسلمانوں کی زندگی بدلنے کیلئے متعدد تحریکیں چلیں- ہر ایک نے مسلمانوں کے زوال کی کچھ

مخصوص وجوہات بیان کیں اور اپنی دانست کے مطابق ان کا حل پیش کیا- کسی نے احکامات الٰہی اور شریعت سے دوری کو زوال کی وجہ بتایا تو کسی نے مسلح جدوجہد کو حل جانا جبکہ کسی نے سیاسی و فوجی طاقت کے حصول سے مسلمانوں کی حالتِ زار بدلنا چاہی -پھر سر سید احمد خان کی تحریک چلی جو جدید انگریزی تعلیم کے حصول اور انگریز کی وفاداری کو مسلمانانِ ہند کے مسائل کا حل سمجھتے تھے-

اس دور کے دوسرے مرحلے 1857ء سے 1947ء تک کا جائزہ لیا جائے تو یہ تحریکی اعتبار سے تین مراحل پر مشتمل نظر آتا ہے- پہلا مرحلہ 1857ء سے 1906ء مسلم لیگ کے قیام تک کا ہے جس میں اجتماعی شعور کے مطابق جدید انگریزی و سائنسی تعلیم کا حصول اور انگریزوں کے ساتھ دوستانہ اور وفادارانہ تعلقات کا قیام مسائل کا حل سمجھا جاتا رہا-1906ء میں مسلم لیگ کے قیام کے وقت اس کے اغراض و مقاصد اوپر بیان کردہ تجزیے کی واضح دلیل ہیں جو درج ذیل تھے:

1. مسلمانوں میں برطانوی حکومت کے لیے وفاداری کے جذبات پیدا کرنا-
2. مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ اور مسلمانوں کے مطالبات پُر امن طریقے سے برطانوی حکومت تک پہنچانا-
3. ہندوستان کی باقی قوموں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنا اور تعصب اور نفرت کو ختم کرنا-

1906ء سے 1938ء تک کی تحریک کے دوسرے مرحلے کے مقاصد کا تجزیہ کریں تو نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ جدوجہد انگریز سے آزادی حاصل کرنے کی تھی نا کہ ہندوستان کو تقسیم کرنے کی- مسلمان سیاسی اکابرین کے مؤقف کو سمجھیں تو اکثر و بیشتر ان کا مقصد ہندوستان کی فیڈریشن کے اندر رہتے ہوئے مسلمانوں کے سیاسی، سماجی، معاشی و تہذیبی حقوق کا تحفظ تھا-اس مرحلے میں بھی مقصد آزادی کے بجائے حقوق کا تحفظ اور مسلمانوں کے الگ سیاسی وجود کو تسلیم کروانا تھا جس کی خاطر ہندوستان کے ہر سیاسی عمل کا حصہ بنا گیا - اس دور کے اختتام تک مفاہمت و مزاحمت، اصلاح و ترقی پسندی، وفاداری و دوستانہ تعلقات، جنگیں و شکستیں، مطالبات و تحریکیں الغرض کے ممکنات میں سے ہر راہ اپنا کر دیکھ لی گئی لیکن مسلمانوں کے الگ سیاسی وجود ، ملی و قومی امنگوں اور انفرادی و اجتماعی تہذیبی اظہار کو ہر تجربے کے باوجود کوئی جگہ نہ مل سکی-اب فطری طور پر لازم ہو گیا تھا کہ اس دور میں اکابرین ان سب سے آگے جا کر کوئی نیا حل پیش کریں کیونکہ ماضی کا کوئی طریقہ سود مند ثابت نہ ہو سکا تھا-

1938ء سے 1947ء تک تیسرے مرحلے میں برِ صغیر کے مسلمانوں کی فکری جدوجہد اور اجتماعی شعور ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچ گئے تھے کہ مسلمانانِ ہند کے مذہبی، سیاسی و سماجی امنگوں کے اظہار اور ملی و قومی مقاصد کے حصول کے لیے ایک آزاد ریاست کا ہونا ناگزیر ہے- اس فکر کا تعلق نظریہ پاکستان سے ہے- اور دلچسپ امر ہے کہ سیاسی جدوجہد کے بیان کردہ دوسرے دور کے دوران ہی علامہ اقبال ان نتائج پہ پہنچ چکے تھے جن پہ سیاسی قیادت بھی بالآخر تیسرے مرحلے میں پہنچ گئی-

سلطان الفقر حضرت سخی سلطان محمد اصغر علی صاحبؒ کی تربیت کی بدولت یہ شعور اجاگر ہوا کہ تاریخ کی غلط توجیہات کی درستگی کی سعی کرنا در حقیقت تاریخ میں اپنا کردار ادا کرنے کے مترادف ہے- تاریخی واقعات کی غلط تفصیلات

اور اسلاف کے کردار کو آلودہ کرنے کی کوششوں کے برعکس تحقیق کے ذریعے اصل حقائق عوام کے سامنے لانا ہی تاریخ میں اپنا مثبت کردار ادا کرنا ہے- تاریخی حقائق کو مسخ ہونے سے بچانا اور افکارِ اسلاف کی درست ترجمانی اس لیے بھی ضروری ہے کہ ان کا ہمارے نظریات اور قومی احساس کے بننے میں قابل ذکر کردار ہے- تاریخ کو مسخ کرنے اور اسلاف کی کردار کشی سے ہمارے قومی احساس اور معاشرتی تصورات غیر اہم اور بے معنی ہو جاتے ہیں- لہٰذا ان کا مثبت یا منفی تصور واضح طور پر نسل نو کے اذہان پر اثر انداز ہوتا ہے- تاریخ اور افکارِ اسلاف سے آگاہی اور ان پر فخر یا ان کے بارے میں شکوک و شبہات یا تو موجودہ معاشرتی و قومی تصورات کو قائم رکھنے میں مدد فراہم کرتے ہیں یا انہیں پاش پاش کر دیتے ہیں-

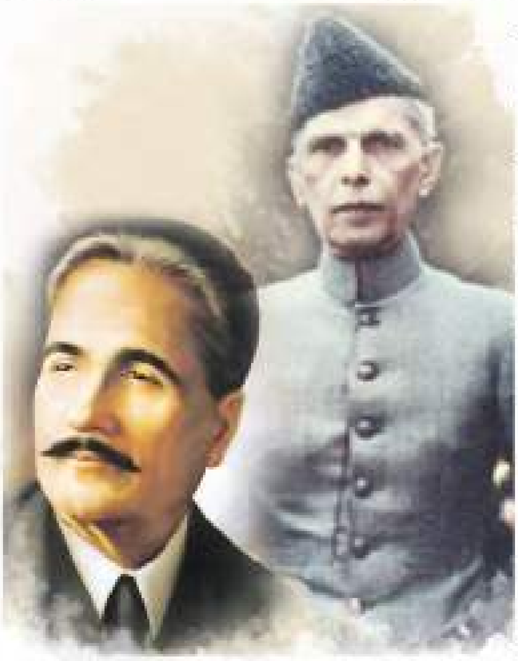

یہ بھی آپؒ کی تعلیمات کا کمال ہے کہ عوام الناس کو تحریکِ پاکستان کا تسلسل سمجھایا کہ یہ تحریک اب بھی جاری ہے جس میں ہم سب اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں- یہ تحریک معنوی اور مقصد کے اعتبار سے اب بھی قائم و دائم ہے- جیسا کہ اس کا مقصد ایک ایسی اسلامی فلاحی ریاست اور معاشرے کا قیام تھا جو جدت کے اعتبار سے ایک مثالی ریاست اور معاشرتی نمونہ پیش کر سکے- مزید بر آں جہاں ایسی قوم تیار ہو سکے جو نسل انسانی کو درپیش سیاسی، سماجی و معاشی چیلنجز کا ممکنہ حل پیش کر سکے- اس تصور کردہ ملک و معاشرے کی تشکیل کے لیے کی جانے والی تمام تر کاوشیں تحریک پاکستان کے زمرے میں ہی آئیں گی اور ان کاوشوں میں شامل تمام افراد کو تحریک پاکستان کا کارکن ہی گنا جائے گا- اگر مزید وسیع النظری سے کام لیا جائے تو جیسے نظریہ پاکستان اور تحریک پاکستان کا مستقبل اکیسوی صدی میں قائم ہے اسی طرح مقاصد کے اعتبار سے اس کا ربط ماضی سے بھی قائم ہے- نظریہ و تحریک پاکستان تمام تر اسلامی تاریخ میں اسلامی فلاحی ریاست و معاشرے کے قیام کے لیے کی جانے والی فکری اور عملی جہد و جہد کا ہی تسلسل ہے- یہی نظریہ کی طاقت ہے کہ وہ انسان کو اس کے ماضی اور فکری بنیاد کے ساتھ جوڑ کر اس کے لیے مستقبل میں منزل و مقاصد طے کرتی ہے-

نظریہ پاکستان:

متعدد لوگوں کی خام خیالی ہے کہ نظریہ پاکستان محض پاکستان بنانے کی جدوجہد کا نام ہے جس کا مقصد صرف آزادی حاصل کرنا اور ایک نیا ملک بنانا تھا- سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا انگریز کے جانے سے ہم آزاد نہیں ہوئے؟ اگر جواب نہیں ہے تو پھر ہندوؤں سے آزادی کیوں ضروری تھی؟ کیا ہندوستان ایک ملک نہیں تھا کہ نیا ملک بنانا ضروری تھا؟ اگر ان سوالات پر ہی غور کیا جائے تو نظریہ پاکستان اور ہمارے اسلاف کی جدوجہد کی اہمیت اور اس کا آج کے دور کے ساتھ تعلق با آسانی سمجھ آسکتا ہے-

درحقیقت نظریہ پاکستان ایک فکری و شعوری عمل کا دوسرا حصہ ہے جس کا پہلا حصہ دو قومی نظریہ ہے- اس کے مطابق ہندوستان میں دو مختلف قومیں آباد ہیں جن کا دین و عقیدہ، معاشرت و زبان، تہذیب و تمدن، رہن سہن و عادات و اطوار، امیدیں و امنگیں، تاریخ و کیلنڈر، بود و باش و تہواریں الغرض کہ مکمل ضابطہ حیات و طرز زندگی نہ صرف ایک دوسرے سے مختلف ہیں بلکہ متصادم ہیں- ایک قوم کے نزدیک ثواب کا کام دوسرے کیلئے گناہ اور ایک کا "ہیرو" دوسرے کیلئے "ولن" تصور ہوتا ہے- اسی الگ شناخت اور منفرد طرز زندگی کا تقاضا تھا کہ الگ طرزِ حکومت و معاشرت، الگ قوانین و اصول، الگ مقصد و منزل کے تحت قومی زندگی

گزاری جائے۔اس فطری ضرورت نے ایک نئی فکر کو جنم دیا کہ ہمارے معاشرے کے تصور اور ریاستی تعبیر ہی جدا ہے۔ لہٰذا! ہمیں اپنے تصور کردہ معاشرے کے قیام کیلئے الگ ریاست کی ضرورت محسوس ہوئی جس کا قیام متحدہ ہندوستان میں ممکن نہ تھا۔یہاں سے نظریہ پاکستان قائم ہوتا ہے جس کو اگر قارئین کی آسانی کی خاطر سادہ اور آسان الفاظ میں بیان کیاجائے تو اس کا مطلب ہے کہ:

1. ایک اسلامی فلاحی ریاست کاقیام۔
2. اسلام کے وضع کردہ اصولوں کے مطابق ایک معاشرے کاقیام۔
3. ایسی ریاست اور معاشرے کا قیام جہاں ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیاں اسلام کے اصولوں کے مطابق گزار سکیں۔

پس ثابت ہوتا ہے کہ ملک حاصل کرناواحد مقصد نہیں تھابلکہ یہ ایک ذریعہ تھاایک بڑے مقصد کو حاصل کرنے کیلئے جو کہ ایک اسلامی معاشرے کا قیام تھا اور اس مقصد کے حصول تک نظریہ پاکستان مؤثر اور متعلق رہے گا۔اگر مقصد صرف زمین کا ٹکڑاحاصل کرناہوتا توہندوستان کی صورت میں اس سے بڑا ملک موجود تھا۔صرف آزادی ہی لینی ہوتی تو ہندوستان کے اقتدار کے حصول کی جدوجہد کرلی جاتی۔

سلطان الفقر حضرت سخی سلطان محمد اصغر علی صاحبؒ کی کاوشوں اور تحریک سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نظریہ پاکستان کے مقاصد کے حرف بہ حرف امین ہیں۔آپؒ نے ہو بہو انہی مقاصد کے حصول کی تگ و دو میں اپنی توانائیاں صرف کیں۔تحریک پاکستان کا پہلا ہدف تخلیق پاکستان تھا اور آپؒ کی کاوشوں کا رخ تکمیل مقاصدِ نظریہ پاکستان کے لیے تھا۔آپؒ کی ساری زندگی اس تصور کردہ معاشرے کے قیام میں صرف ہوئی۔ایسا معاشرہ جہاں نفرت ناپید ہو،جہاں امن ومحبت کے پھول کھلیں ہوں،جہا ں انتشار عدم ہو،جہاں اعلیٰ اخلاقی معیار پر مبنی ایک مستحکم معاشرے کا قیام ہو،جہاں علمی انقلابات برپا ہوں اور تسخیر کائنات کیلئے معاشرے کے افراد پروانے کی طرح تڑپتے ہوں، جہاں فرد کا ربط ملک وملت سے قائم ہو۔جہاں افراد اپنی ذات سے نکل کر اجتماعی فلاح کیلئے بر سرپیکار ہوں، جہاں عالمی سطح پر علمی و سائنسی انقلابات میں واضح کردار ہو، جہاں عالمی انسانی ترقی میں اہم حصہ ہوں، جہاں عالمی مسائل کے حل کے لئے تخلیقی اذہان موجود ہوں، جہاں افراد تعمیر کی علامت ہوں، جہاں ارادے حق کی وکالت ہوں، جہاں وجود سربلند کردار کی علامت ہوں اور جہاں عزائم فطرت کی چاہت ہو

یہ واضح ہے کہ پاکستانی قومیت کا وجود، جغرافیہ، رنگ و نسل، لسانیت یا فرقہ واریت وغیرہ کی بجائے نظریہ پاکستان کے باعث قائم ہوا جس کی بقاء اسی نظریہ کے باعث ممکن ہے۔ اس ضمن میں سابق سفیر ڈاکٹر سمیع اللہ قریشی مسلم انسٹیٹوٹ کے زیرِ اہتمام منعقدہ سیمینار جس کا عنوان "Challenges to Islamic Identity of Pakistan" 16جولائی2012 کے موقع پر بیان کرتے ہیں کہ:

”پاکستان کی طرز کے فیڈریشن کو ٹوٹنے سے بچانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کی بنیاد کو نظریہ کی بنیاد پر قائم رکھاجائے۔ پاکستان جغرافیائی شناخت کی بنیاد پر قائم نہیں رہ سکتابلکہ یہ صرف اسلامی نظریاتی شناخت کی بنیاد پر قائم اور مضبوط رہ سکتاہے“۔

جبکہ نظریہ پاکستان اسلام کے زیر اثر قائم ہوا ہے جس کا ایک واضح مقصد ہے۔لہٰذا آپؒ نے نظریہ پاکستان؛اس کے اجزائے ترکیبی اور اسکے نتیجے میں بننے والے قومی احساس اور

اسکے زیرِ اثر قائم ہونے والے مقصد کو فروغ دینے میں اپنی توانائیاں صرف کیں۔

نظریۂ پاکستان محض ماضی کی بات نہیں جو دورِ حاضر میں غیر مؤثر ہے بلکہ آج سے اس کا گہرا ربط قائم ہے۔ نظریہ پاکستان 1947ء سے ایک مقصد کی طرف سفر کا نام ہے جس کا تسلسل اس مقصد کے حصول تک جاری رہے گا۔ یہ ہمیں فہم عطا کرتا ہے کہ اپنے قومی مقاصد کے حصول کے لئے ہم کہاں پہنچے ہیں۔ یہ ہمارے قومی سفر میں ہماری سمت کے تعین کا پیمانہ اور ہماری قومی حالت جانچنے کا معیار ہے۔ نظریۂ پاکستان اس قوم کی مقصد اور منزل کا تعین کرتا ہے لہٰذا بلاشبہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بقائے پاکستان کا راز نظریہ پاکستان سے جڑا ہے۔

اسی نظریہ کی وجہ سے پاکستانی قوم کا وجود قائم ہوا ہے۔ نظریہ پاکستان نے جب قوم کیلئے متفقہ منزل کا تعین کیا تو مشترک قومی احساس پیدا ہوا اور نتیجتاً قوم کا وجود عمل میں آیا۔ یعنی وحدۃ المقصود کی وجہ سے پیدا ہونے والے مشترک احساس نے ہمیں ایک قوم بنا دیا۔ تاہم نظریہ نہیں تو کوئی مقصد نہیں اور مقصد کی غیر موجودگی میں مشترک قومی احساس بننا محال ہے۔ جب قوم کا وجود ہی نہ رہا تو وطن سے وابستگی کا احساس کہاں باقی رہے گا۔ ہم قوم نہ رہے تو میرا آپ کا تعلق کیا؟ لہٰذا تحریکِ پاکستان کا نعرہ حادثاتی نہ تھا بلکہ ہمارے اسلاف نے بڑا سوچ سمجھ کے یہ نعرہ دیا تھا۔

پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ
تیرا میرا رشتہ کیا لا الہ الا اللہ

آپؒ کی تحریک یا طرزِ جد و جہد کا جب بھی کوئی بھی سکالر غیر جانبدار تجزیہ کرے تو واضح نتیجہ پائے گا کہ سوشل سائنس کے وضع کردہ اصولوں کے عین مطابق آپؒ کی کاوشوں کا مقصد قوم کی بنیادی اساس (نظریہ پاکستان، تاریخ و اسلاف) اور مشترک احساس قومیت کی حفاظت اور اس کی تقویت تھا۔

حیرت بھی ہوتی ہے کہ آپ کیسے جدید علوم کے ان باریک نقاط اور ان کے ملک و معاشرے پر اثرات سے واقف تھے۔ آپؒ نے ایسا طرزِ عمل اور حکمتِ عملی اپنائی جس کی بدولت ملک و قوم کیلئے ان علوم میں بیان کیے گئے اصولوں کے مطابق متعلقہ مقاصد و فوائد حاصل کیے۔

رچائے جاتے ہیں جن کا ادراک اور سد باب کسی فقیر کی فراست اور دور اندیشی سے ہی ممکن ہے۔ مثلاً کسی ملک کو تباہ کرنا مقصود ہو تو پہلے اس ملک میں بسنے والی قوم کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔ جبکہ قوم کو برباد کرنے کیلئے ان عوامل (عقیدہ، نظریہ، تاریخ، اسلاف، تہذیب) پر حملہ کیا جاتا ہے جن کی وجہ سے قوم بنتی ہے۔ اب اکثر جنگیں قوموں کی اجتماعی شعور میں غیر مادی عناصر کے ذریعے لڑی جا رہی ہیں کیونکہ اس طرز پر قوموں کو تباہی کا احساس بڑی دور جا کر ہوتا ہے۔ اس کے برعکس مادی عوامل کے ذریعے براہ راست، معاشی، سیاسی یا سفارتی محاذ پر لڑی جانے والی جنگیں ظاہر ہوتی ہیں جس کا بروقت سدباب ممکن ہے۔ ہر دور میں فقراء کا یہ کمال احسان رہا ہے کہ وہ قوموں کی نظریاتی و شعوری، تصوراتی و تخیلاتی، علمی و فکری اور احساسی و جذباتی سرحدوں کے محافظ رہے ہیں۔ وہ قوموں کے شعور، نظریات، اعتقاد، احساس اور جذبوں کی حفاظت اور تربیت فرما کر قوم کے افراد کو اس قابل بناتے ہیں کہ وہ زندگی کے ہر میدان میں انقلابی و تعمیری کردار ادا کر سکیں۔

☆☆☆

مرا وطن میری ماں ہے گھر ہے

ڈاکٹر عظمیٰ زرین نازیہ

عزیز میہن!
تری فضاؤں میں ان ہواؤں میں نغمگی ہے
مرے ترانے نئے فسانے
جو گونجتے ہیں
تو تیرے پربت بھی ناچتے ہیں
جو بیج بوئے تھے میرے پرکھوں نے لاالہ کے نام پر وہ
شجر بنے ہیں
بڑے تناور
وہ بار آور
نہال سارے جو اس گلستاں میں اگ رہے ہیں
انھی کے سائے میں پل رہے ہیں
رسولِ رحمت، نبی آخر محمد مصطفےٰ کی الفت
ہر ایک دل میں سما رہی ہے
بلا رہی ہے بسوئے وحدت
بھلا کے رنگ و نسل قبیلے
وہ بڑھ رہے ہیں بسوئے نصرت
ترے عقابوں میں جوش اتنا
اڑان اونچی سی بھر رہے ہیں
وہ کہہ رہے ہیں
زمین ہو یا کوئی سمندر
نہیں ہے کوئی بھی ہم سے برتر
سبھی ہمارے پروں تلے ہیں
ہمارا پرچم بلند تر ہے
یہ چاند تارا عظیم تر ہے
مرا وطن میری ماں ہے گھر ہے

☆☆☆

گوشہ گوشہ میری دھرتی تیرا آباد رہے

شاعر: مستحسن رضا جامی

اے مرے پاک وطن تجھ سے محبت ہے مجھے
تیری خوشبو تیری مٹی کی ضرورت ہے مجھے

تیری اُلفت میرے سینے میں اگر باقی ہے
میں یہ سمجھوں گا کہ جینے کا ہُنر باقی ہے

دیس اک خاص امانت ہے سبق یاد رہے
گوشہ گوشہ میری دھرتی تیرا آباد رہے

اس سے ارفع کوئی دولت کوئی سوغات نہیں
تجھ پہ قرباں ہو اگر جان بڑی بات نہیں؟

یہ زمینیں یہ سمندر یہ جزیرے شاداب
ہنستے پھرتے ہوں کبوتر، تیرے رقصاں سُرخاب

تیرے دشمن کو رعایت نہ کسی طور ملے
تیرا شملہ تابہ افلاک سدا اونچا رہے

جو ترا نقش مٹا دے وہ قلمدان نہیں
تیرے ذروں سے الجھنا کوئی آسان نہیں

اپنے اذہان تعصب سے بچائے جائیں
تمغے احساس کی دولت کے سجائے جائیں

تیرے ہونے سے ہے موجود فسانہ میرا
تُو سلامت تو سلامت ہے گھرانہ میرا

نفرتیں پھیلتی جائیں تو پریشانی ہے
ایک ہو جانے سے آسانی ہی آسانی ہے

آخری سانس تلک رُوح وفادار رہے
آرزو ہے کہ رضاؔ تیرا طلب گار رہے

☆☆☆

سلطان العارفین حضرت سلطان باھُوؒ
کی شہرہ آفاق اور فقر و عرفان کے اسرار و رموز سے بھرپور کتب
کا معیاری انگریزی ترجمہ

مترجم: ایم اے خان

ان تراجم کا مقصد اس عظیم روحانی و ادبی ورثے کو انگریزی قارئین تک پہنچانا ہے۔

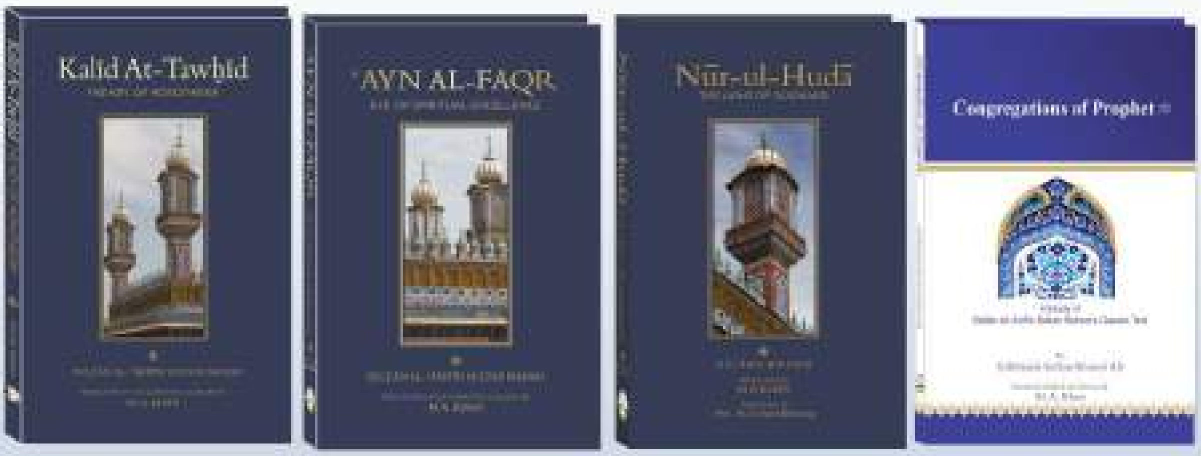

Unique Terminologies

Precise Interpretations

Modern and Effective Style

یہ تراجم حضرت سلطان باھُوؒ کے پیغام کو دنیائے جدید میں پھیلانے کا مؤثر ذریعہ ہیں

علم دوست اور کتاب بین حضرات کے لیے خوبصورت تحفہ

العارفین پبلیکیشنز (رجسٹرڈ) لاہور-پاکستان

اپنے قریبی بک سٹال سے طلب فرمائیں

برانچ: دربار عالیہ حضرت سخی سلطان باھُوؒ ضلع جھنگ (پنجاب) پاکستان
پی او بکس نمبر 11 جی پی او لاہور
ویب سائٹ: www.alfaqr.net ای میل: alarifeenpublication@hotmail.com

www.mirrat.com

عالمی معیار کی
ویب سائٹ

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری

(اقبال)

ماہنامہ مراۃ العارفین انٹرنیشنل لاہور

ملکی اور بین الاقوامی حالات، پاکستان اور عالم اسلام کو درپیش چیلنجز، تصوف، ادب، معاشرت اور ثقافت جیسے دیگر اہم موضوعات پہ علمی و تحقیقی مضامین

مراۃ العارفین انٹرنیشنل اردو کا ماہانہ تحقیقی مجلہ ہے۔
مذکورہ ماہنامہ کا نام سید الشہداء نواسہ رسول حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ)
کی ایک عظیم تصنیف مراۃ العارفین پر رکھا گیا ہے۔

www.mirrat.com

تازہ ترین اور گزشتہ میگزین کے مطالعہ کیلئے وزٹ کریں